ماہنامہ محدّث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۶۷-۳۶۸

جلد: ۳۲ ، شمارہ: ۷-۸

رمضان-شوال ۱۴۳۵ھ = جولائی-اگست ۲۰۱۴ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپئے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپئے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۶
۴-توبہ راہ نجات	ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس	۱۵
۵-روزے کی اہمیت کو سمجھیں	ابوطلحہ محمد ابراہیم سلفی	۲۳
۶-روزہ کے فضائل اور......	مولانا مقبول احمد سلفی	۲۶
۷-وتر کے احکام ومسائل	محمد اسلم مبارک پوری	۳۵
۸-قرآن مجید کی فضیلت......	عبدالرحیم محمد یونس بنارسی	۴۴
۹-زکاۃ کے فضائل واحکام	محمد انور محمد قاسم سلفی	۵۲
۱۰-مشروعیت زکاۃ کی حکمت......	عبدالاحد احسن جمیل	۶۳
۱۱-وسطیت کی طرف دعوت......	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	۶۹
۱۲-زمانے کو گالی مت دو	عبداللہ تجمید عالم	۸۲
۱۳-تاریخ، تحریف اور......	طارق اسعد بن اسعد اعظمی	۸۵
۱۴-اخبار جامعہ	ادارہ	۹۲
۱۵-باب الفتاوی	محمد اسلم مبارک پوری	۹۳

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

یوم آخرت یعنی قیامت اور قرآن مجید

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

(بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيْمِ) ﴿اَلْحَمْدُ للّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، الرَّحْمنِ الرَّحِيْمِ، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (سورہ فاتحہ)
ترجمہ (شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم یعنی رحم کرنے والا ہے) ہر طرح کی تعریف اللہ کو سزاوار ہے جو سارے جہان (تمام مخلوقات) کا پروردگار ہے، بڑا مہربان، نہایت رحم والا، انصاف و بدلہ دینے کے دن کا مالک ہے۔

قرآن مجید کی ابتدا جس سورہ سے ہوتی ہے اس سورہ کا نام فاتحہ ہے فَتَحَ غَلَقَ کا ضد ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کھولنا، یا شروع کرنا۔

یہ قرآن مجید کی پہلی سورہ ہے جس میں سب سے پہلے اللہ رب العالمین کا اقرار ہے یعنی سارے جہان-آسمانوں، زمین اور ان دونوں میں پائے جانے والی ہر چیز کا رب ہے، اگر آسمان وزمین کے علاوہ بھی دنیا ہے وہ بھی اس میں شامل ہے، جنت وجہنم وعالم برزخ بھی اس سے مستثنی نہیں ہے، پھر اس اللہ کی دو اہم صفات رحمٰن اور رحیم کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قال رسول الله ﷺ: لما قضى الله الخلق كتب في كتابه فهو عنده فوق العرش "إن رحمتي غلبت غضبي" (بخاری:۳۱۹۴) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ نے خلق یعنی مخلوق کو پیدا کرنے کا فیصلہ کیا تو اپنی کتاب میں جو اس کے پاس عرش پر ہے یہ قلمبند کر دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ قرآن مجید کی ابتدا میں اس صفت کا ذکر ہے اور ایک انسان جب سورہ فاتحہ کی تلاوت کرتا ہے یعنی جب قرآن مجید کی تلاوت کی شروعات کرتا ہے تو اللہ کو اس وصف کے ساتھ پکارتا ہے اس کے بعد اس دن کا اقرار ہے جس کو ہم روز قیامت کہتے ہیں جس کے بہت سے نام ہیں اور انہیں میں سے ایک نام ''یوم الدین'' ہے یعنی اللہ تعالی بدلہ کے دن کا مالک ہے۔ قیامت واقع ہوگی اور اس کے بعد ایک دوسری زندگی شروع ہوگی جس کا اختتام نہیں اور جو ابدی ہوگی۔ انسان اس کے بعد نہیں مرے گا "إلا أن يشاء ربك" الا یہ کہ تمہارا رب چاہے۔ اس زندگی میں جن کے اعمال دنیا میں اچھے ہوں گے اور ان کی نیکی کا وزن زیادہ ہوگا وہ جنت میں رہیں گے اور جن کے اعمال دنیا میں خراب رہے ہوں گے اور ان کی نیکی کا وزن گناہوں کے مقابلہ کم و ہلکا ہوگا وہ جہنم میں رہیں گے اور جنت وجہنم میں بھی اعمال کے مطابق مراتب اور درجات ہوں گے۔ نیک کام کیا ہے اور برا کام کیا ہے قرآن مجید میں اس کی تفصیل وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

دوسری دنیا میں جنت وجہنم میں جانے سے پہلے اللہ تعالی تمام انسانوں کو بروز قیامت حشر کے میدان میں جمع

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

درس حدیث

اعتکاف کے مسائل واحکام

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ. (صحیح بخاری، ح:۱۹۲۲، صحیح مسلم، ح:۱۱۷۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی، پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔

رمضان المبارک کی مہتم بالشان عبادتوں میں سے ایک عبادت اعتکاف کے نام سے موسوم ہے۔

اعتکاف عربی زبان میں لزوم الشئ وحبس النفس علیه کسی کام کا التزام اور اس کو انجام دینے کے لیے نفس کو پابند کرنا۔

شرعی اصطلاح میں: المقام في المسجد من شخص مخصوص على صفة مخصوصة. کسی شخص کا مخصوص حالت وکیفیت کے ساتھ مسجد میں قیام کرنا۔ اعتکاف کی فضیلت اور اس کا اجر وثواب قرآن وحدیث میں وارد ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿ولا تباشروهن وأنتم عاكفون في المساجد﴾ (بقرہ:۱۷۷) جب تم مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں رہو تو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔

اس آیت کریمہ میں مساجد کا ذکر عام ہے، اس سے استدلال کرکے فقہاء کہتے ہیں کہ تمام مسجدوں میں اعتکاف کرنا مشروع ہے، ہاں مساجد ثلاثہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی میں افضل ہے، نیز ان مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں اعتکاف کے لیے شد رحال یعنی سفر جائز نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ میں مباشرت سے مراد جماع اور اس کے محرکات ہیں جو حالت اعتکاف میں حرام اور اعتکاف کو باطل کرنے والے ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: الأمر المتفق عليه عند العلماء أن المعتكف يحرم عليه النساء ما دام معتكفا في مسجده ولو ذهب إلى منزله لحاجة لابد له منها فلا يحل له أن يثبت فيه إلا بمقدار ما يفرغ من حاجته تلك من قضاء الغائط أو الأكل وليس له أن يقبل امرأته ولا أن يضمها اليه ولا يشتغل بشيء سوى اعتكافه ولا يعود مريضا ولكن يسأل عنه وهو مار في طريقه. (تفسیر ابن کثیر:۳۰۴/۱)

علماء کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے کہ معتکف جب تک مسجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو اس کے لیے مباشرت حرام ہے، اگر وہ اپنے گھر کسی ضروری کام سے جاتا بھی ہے تو اس کے لیے گھر میں اتنی ہی دیر قیام درست ہے جتنی دیر میں وہ

کھانا کھالے یا استنجاء کی حاجت کو پوری کرلے اور اس کے لیے اپنی بیوی سے بوس وکنار جائز نہیں اور نہ ہی کسی ایسے کام میں مصروف ہونا جو اعتکاف کے علاوہ ہو اور نہ وہ کی بیمار کی عیادت کرے گا، ہاں راستہ چلتے ہوئے وہ حال چال معلوم کرلے تو کوئی حرج نہیں۔

البتہ حالت اعتکاف میں گھر والوں سے ملاقات کرنا، ملاقات کے لیے ان کا مسجد آنا، ان سے گفتگو کرنا، ان سے خدمت لینا جائز اور درست ہے، اور اس سلسلہ میں متعدد روایتیں وارد ہیں، صحیحین میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول سے ملاقات کی غرض سے جب آپ اعتکاف کی حالت میں ہوتے، مسجد نبوی میں آیا کرتی تھیں اور کچھ دیر رک کر آپ سے باتیں کرتیں، ایک مرتبہ رات کو واپس جانے کے لیے کھڑی ہوئیں تو اللہ کے رسول ﷺ بھی ساتھ نکلے کہ ان کو ان کے گھر تک پہنچا دیں، راستہ میں دو انصاری صحابی سے ملاقات ہوگئی، ان دونوں نے اللہ کے رسول کو دیکھا تو تیز چلنے لگے اور کسی روایت میں ہے کہ دونوں (شرما کر) چھپ گئے کہ اللہ کے رسول اپنی اہلیہ کے ساتھ ہیں، اللہ کے رسول نے ان سے مخاطب ہوکر کہا کہ ٹھہر جاؤ یہ میری بیوی صفیہ ہیں، ان دونوں نے کہا کہ سبحان اللہ کیا ہم آپ کے بارے میں شک وشبہ کرسکتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ شیطان انسان کی رگ میں دوڑتا ہے، میں اس بات سے ڈرا کہ وہ تم لوگوں کے دل میں بدگمانی پیدا نہ کردے۔ (صحیح بخاری، ح: ۱۹۳۰، ۱۹۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ حالت اعتکاف میں اپنا سر میری جانب جھکاتے اور میں آپ کے بالوں میں کنگھی کرتی، جبکہ میں حیض کے حالت میں ہوتی تھی، بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے بالوں کو دھلتی تھیں۔ (صحیح بخاری ح: ۲۹۱، ۱۹۲۴، ۱۹۲۶، ۱۹۲۵)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حالت اعتکاف میں بیوی سے اس قسم کی خدمت لی جاسکتی ہے، اگرچہ وہ پاکی حالت میں نہ بھی ہو۔

اسی طرح معتکف صفائی ستھرائی، غسل اور خوشبو وغیرہ کا استعمال کرسکتا ہے، اگر اس کی خواہش ہو تو اچھے کپڑے بھی زیب تن کرے۔

اس درس کے لیے منتخب ومذکور حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتکاف اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے، بلکہ مدینہ تشریف لانے کے بعد آپ نے پوری زندگی اعتکاف کیا، کسی سال آپ رمضان کے مہینہ میں اعتکاف نہ کرسکے تو آپ نے شوال کے مہینہ میں اعتکاف کیا۔ (صحیح بخاری ح: ۱۹۳۶، ۱۹۲۸، ۱۹۲۹)

بلکہ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وفات سے پیشتر بیس دنوں کا اعتکاف کیا۔ (صحیح بخاری ح: ۱۹۳۹)

آپ کے اس عمل کی توجیہ کرتے ہوئے علماء لکھتے ہیں: چونکہ آپ حالت اعتکاف میں جبرئیل کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے اور اس سال جبرئیل نے دو مرتبہ قرآن کا دور کیا، اس لیے آپ نے دس کے بجائے بیس دن اعتکاف کیا، تاکہ دو مرتبہ دور مکمل ہوجائے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جب سورہ نصر نازل ہوئی اور یہ اشارہ دے دیا گیا کہ اب آپ کا دعوتی مشن پورا ہو چکا

ہےاورعنقریب اپنے رب سے ملنے والے ہیں تو آپ نے اپنی عبادت وریاضت میں مزید اضافہ کردیا،اسی لیے یہ اعتکاف جو آپ کی زندگی کا آخری اعتکاف تھا۲۰دن کیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نعمتوں کی بڑی قدر کرنے والے اوران پر شکریہ ادا کرنے والے تھے، چونکہ اللہ نے آپ پر اپنی بہت سی نعمتوں کی تکمیل فرمادی تھی اس لیے بطور شکرانہ آپ نے ایسا کیا۔

اعتکاف کے لیے اللہ کے رسول کی سنت یہ تھی کہ آپ مسجد نبوی میں اسطوانۃ التوبہ (ستون توبہ) کے پیچھے اعتکاف فرماتے (سنن ابن ماجہ:۱/۵۶۴)،آپ کا خیمہ مسجد میں نصب کیا جاتا (صحیح بخاری ح:۱۹۲۸)،آپ کا کھانا مسجد ہی میں لایا جاتا،صرف قضائے حاجت کے لیے آپ گھر تشریف لے جاتے (صحیح بخاری ح:۱۹۲۵)،نماز کے علاوہ آپ زیادہ تر اوقات اعتکاف کی جگہ گذارتے،اعتکاف کی حالت میں آپ نہ کسی مریض کی عیادت کرتے اور نہ جنازہ میں شرکت کرتے،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: السنة على المعتكف أن لا يعود مريضا ولا يشهد جنازة ولا يمس امرأة ولا يباشرها ولا يخرج لحاجة الا مالابد منه ولا اعتكاف الا بصوم ولا اعتكاف الا في مسجد جامع۔ (سنن ابوداؤد،باب المعتکف یعود مریضا،ح:۲۴۷۳)

اعتکاف کرنے والوں کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ کسی مریض کی عیادت کرے نہ جنازہ میں شرکت، نہ بیوی سے مباشرت کرے اور نہ ہی اس سے بغل گیر ہو اور انسان کی بنیادی ضرورت کھانا پینا اور استنجاء کے علاوہ کے لیے مسجد سے نہ نکلے، بحالت روزہ ہی اعتکاف درست ہے، نیز ایسی مسجد میں جہاں جمعہ قائم ہوتا ہو،اگر کسی کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی جارہی ہے تو معتکف اس میں شرکت کرسکتا ہے،اسی طرح راستہ چلتے ہوئے یا مسجد کے اندر کسی مریض کا حال چال جان سکتا ہے،حضرت عائشہ فرماتی ہیں: لقد كان المريض يكون في البيت فما أسأل عنه الا وأنا مارة۔ (تفسیر ابن کثیر:۱/۳۰۵) گھر میں جو مریض ہوتا اس کا حال میں چلتے چلتے ہی پوچھ لیتی۔

ہاں اعتکاف کو روزہ کے ساتھ مشروط کرنا جیسا کہ علامہ ابن القیم وغیرہ کا کہنا ہے کہ بغیر روزہ کے اعتکاف درست نہیں تو یہ بات علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔اوپر ذکر کی گئی روایت کی بنیاد پر افضل اور مستحب یہ ہے کہ معتکف حالت روزہ میں اعتکاف کرے اسی طرح جس مسجد میں جمعہ قائم ہوتا ہو وہاں اعتکاف ضروری تو نہیں لیکن افضل ضرور ہے تاکہ معتکف نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے دوسری مسجد کا رخ نہ کرے۔

اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مانی تو اعتکاف کرنا اس پر واجب ہوگیا،اور اگر کسی نے اعتکاف شروع کیا اور درمیان میں ایسے حالات پیدا ہوگئے جس کی وجہ سے اس نے اعتکاف ترک کردیا تو اس کے لیے اس اعتکاف کی جو مسنون ومستحب ہے قضا نہیں ہے اور اگر وہ واجب اعتکاف ہے تو اس کی قضا کرے گا،اللہ کے رسول ﷺ نے رمضان کے مہینہ میں سفر کی وجہ سے (سنن بیہقی بحوالہ جائزۃ الاحوذی:۲/۱۴۳) یا ایک موقع پر ازواج مطہرات کے باہمی تنافس کی وجہ سے اعتکاف ترک کردیا تو شوال میں اس کو مکمل کیا (صحیح بخاری ح:۱۹۲۸)،آپ کا یہ عمل قضا کے طور پر نہیں بلکہ اس لیے تھا کہ آپ کوئی عبادت کرتے تو

اس پر مداومت برتتے، اگر آپ قضا کے طور پر ایسا کرتے تو روایتوں میں اس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ ان ازواج مطہرات نے بھی شوال میں اعتکاف کی قضا کی جنہوں نے آپ کے ساتھ اعتکاف شروع کیا تھا پھر ترک کر دیا۔ (فتح الباری: ۴/۲۷۷)

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف مسنون ومستحب ہے، اس لیے کہ اس آخری عشرہ میں قدر والی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور جسے تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے (صحیح بخاری ح: ۱۹۱۳، ۱۹۱۵)، اس لیے جو شخص اس آخری عشرہ کا اعتکاف کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ بیس رمضان کی مغرب کی نماز مسجد میں ادا کرنے کے بعد اعتکاف کی حالت میں ہو جائے اور اگر کوئی شخص ۲۰ تاریخ کی صبح ہی مسجد میں آ کر اعتکاف میں بیٹھ جائے تو بعض علماء اسی کے قائل ہیں اور بعض روایتوں سے اس قول کی تائید ہوتی ہے (صحیح بخاری ح: ۱۹۳۱، ۱۹۳۵)، اس لیے اختلاف سے بچنے کے لیے وہ ایسا بھی کر سکتا ہے۔ (جائزۃ الاحوذی ۲/۱۳۵) معتکف حالت اعتکاف میں باجماعت فرض نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ کثرت سے نوافل کا اہتمام کرے، چاشت کی نماز، قیام اللیل، قرآن کی تلاوت، ذکر واذکار، توبہ واستغفار میں لگا رہے۔ دوران اعتکاف مسجد میں آنے جانے والوں سے غیر ضروری باتیں نہ کرے، طہارت وپاکیزگی کا التزام کرے، زیادہ سے زیادہ باوضوء رہے، فضائل واحکام، سیرت رسول وسیرت صحابہ کی کتابوں کو بھی مطالعہ میں رکھے۔

اعتکاف کا مقصد یہ ہے کہ بندہ انابت الی اللہ کا عادی بن جائے اور ہر وہ کام جو اس میں خلل ڈالنے والا ہے اس کو ترک کر دے۔

جب آدمی معاشرہ میں لوگوں کے درمیان ہوتا ہے تو زبان کی غیر ضروری باتوں سے حفاظت نہیں ہو پاتی اور اس وجہ سے بہت سی گناہ کی باتیں بھی زبان پر آ جاتی ہیں، اسی طرح لوگوں سے زیادہ میل جول بھی اللہ کے ذکر اور انابت سے غافل کرنے والا ہوتا ہے، وہ اتنا وقت نہیں پاتا کہ اپنے رب کے حضور تنہائی میں کچھ اوقات صرف کر سکے، اسی طرح مباح کاموں کی کثرت بھی انسان کو غیر شعوری طور پر دنیاوی امور میں ملوث کر دیتی ہے، ان تمام باتوں سے بچنے اور کنارہ کش ہونے کے لیے اعتکاف ایک بہترین علاج ہے۔ اس کے ذریعہ سے بندہ اور رب کے درمیان تعلقات کی تجدید ہوتی ہے اور وہ دنیا کے مشاغل سے کنارہ کش ہو کر اپنے رب کے حضور اپنے اوقات بلکہ اپنے پورے سراپا کی قربانی پیش کر دیتا ہے اور اس آیت کریمہ کی تصویر بن جاتا ہے: قل إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين۔ یہ کتنی خوش نصیبی کی بات ہے اور اللہ اپنے ان بندوں سے کتنا خوش ہوتا ہوگا جو چند دنوں ہی سہی دنیا کو خیر باد کہہ کر، آل واولاد، کاروبار، دوست واحباب سب کو درکنار کر کے صرف اور صرف اپنے رب کے ہو گئے۔ اب ان کا دل اور اعضاء وجوارح رب کے حضور اور اس کی خوشنودی میں لگے ہوئے ہیں۔ مزید یہ کہ رمضان کے بابرکت اوقات اور روزہ کی حالت اس عمل کو اور زیادہ بامقصد وباسعادت بنا رہی ہیں۔

☆☆☆

افتتاحیہ

ماہ صیام اور ہمارا معاشرہ

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

ماہ صیام آ گیا ہے۔ رحمت، مغفرت اور نجات کا خزانہ لیے وہ آ گیا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال سے مسلسل وہ آ رہا ہے رحمتوں کا خزانہ لے کر، مغفرت ونجات کا پروانہ لے کر، وہ پچھلے سال بھی آیا تھا اور آوازیں لگاتا رہا: ''مومنو! اپنا دامن برکتوں سے بھرلو، اٹھو رحمت میں سے اپنا حصہ لے لو، سال بھر کی آلودگیوں سے طہارت حاصل کرلو''۔ وہ تیس دن اپنا کیمپ لگا کر برکتوں کے خزانے لٹاتا رہا اور پھر واپس چلا گیا مگر ہم منہ لپیٹے پڑے رہے، نہ اس کے آنے کی خوشی منائی اور نہ جانے کا دکھ محسوس کیا، امسال وہ پھر آیا ہے، اگر ہمارا شعور اور احساس نہ جاگا تو ممکن ہے اگلے سال وہ آئے تو ہمیں نہ پائے، اپنی تمام سیہ کاریوں کے ساتھ ہم اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں۔ اللہ نے ہمیں یہ عظیم الشان مہینہ عطا کیا ہے، جس کی ہر سانس، ہر آن، ہر لمحہ عبادت ہے، بھوکے رہو تو عبادت، پیاسے رہو تو عبادت، افطار کرو تو عبادت، کھانا کھاؤ تو عبادت، گناہوں سے بچو تو عبادت اور ہر عبادت کا ثواب ''اللہ اکبر'' دس گنا سے سات سو گنا اضافے کے ساتھ۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ اور اعزاز یہ کہ مالک اپنے ہرکاروں کے ہاتھوں ثواب نہیں بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے دے گا۔ یہ شرف تو صرف مقربین کو حاصل ہوتا ہے اور مالک اپنے دست خاص سے مقربین کو جو بھی دے ڈالے کم ہے۔

کتنے بدقسمت اور محروم ہیں وہ لوگ جو ماہ صیام میں بھی جانوروں کی سی زندگی گزارتے ہیں، اپنے معمول میں فرق نہیں آنے دینا چاہتے ہیں، ان کے نزدیک روزہ رکھنا غریبوں کا کام ہے، وہ اپنی عیاشیوں اور شہوت رانیوں میں مگن رہتے ہیں ان کے نہ دن بدلے ہیں اور نہ رات، وہ رحمتوں کی اس موسلا دھار بارش سے اپنے دامن کو بھگو نہیں پاتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کا یہی طرز عمل ہماری اخروی کامیابی کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے، ہم الہامی ہدایات کو خاطر میں نہیں لاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیں حیرانی و پریشانی، اضطراب وقلق اور وجود سے لپٹی ہوئی تنہائی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ مبارک اور کامیاب ہیں وہ لوگ جو ٹھٹک کر رکتے نہیں ہیں، تن کر اکڑتے نہیں ہیں بلکہ ماہ صیام کی آمد کو لبیک کہتے ہیں۔ ذرا سوچیے یہ رمضان المبارک کس کے لیے مبارک ہے اور ہمارا شمار کن لوگوں میں ہو رہا ہے؟

قمری مہینوں کی برکتیں:

اللہ رب العالمین نے ساری عبادتوں کو قمری مہینوں سے متعلق کر دیا ہے، محض یہ دیکھنے کے لیے ہم اللہ کی رضامندی کی تلاش میں کس حد تک آگے بڑھ سکتے ہیں، شکر اور صبر واستقامت میں کتنے کھرے اترتے ہیں، اللہ نے قمری مہینوں کو گردش

میں رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ روزہ کبھی تپتی ہوئی گرمی میں کبھی یخ بنا دینے والی سردی میں، کبھی حلق کو سکھا دینے والی خزاں میں آتا ہے، اس کے برعکس انگریزی مہینے ہیں، دسمبر جنوری سردی کے لیے مخصوص ہے تو مئی جون گرمی کے لیے خاص ہے، جولائی اگست برسات کا موسم ہے۔ قمری مہینے مختلف موسم میں آتے ہیں اور ہمیں یہ یاد دلاتے ہیں کہ ہماری زندگی بھی اسی طرح نشیب وفراز، غم ومسرت، بہار وخزاں سے عبارت ہے اور مومن بندہ ہر حال میں اللہ کے تابع فرمان رہتا ہے، خوش ہوتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، دکھی ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے۔

قمری مہینے کے تین عشرے ہوتے ہیں، پہلا عشرہ جس میں چاند نکلتا ہے اور بتدریج منور ہوتا جاتا ہے، لیکن اس کی روشنی دنیا کی تاریکی پر غالب نہیں آتی ہے، دوسرا عشرہ جس میں چاند روبہ شباب ہوتا اور پوری دنیا کو روشن کر دیتا ہے، تیسرا عشرہ جس میں بتدریج چاند اپنا کمال کھو دیتا ہے اور مائل بہ زوال ہو جاتا ہے، انتیس تک پہنچتے پہنچتے وہ کہیں افق میں کھو جاتا ہے اور اماوس کی تاریکی اپنی چادر تان لیتی ہے، بالکل یہی حال انسانی زندگی کا ہے، اس کا پہلا عشرہ پیدائش، شیر خوارگی اور بچپن پر مشتمل ہوتا ہے اور دوسرے عشرۃ میں ہم قوت کے پیکر بن جاتے ہیں، جوانی کا خمار ہمارے سروں پر چھا جاتا ہے، تیسرے عشرے میں ہمارا رخ ڈھلان کی طرف ہوتا ہے، قوی کمزور پڑ جاتے ہیں، اعضا مضمحل ہو جاتے ہیں، بینائی گھٹنے لگتی ہے، سماعت جواب دینے لگتی ہے اور ایک اماوس کی رات کی طرح زندگی کی دہلیز سے قبر کی تاریکی میں کھو جاتے ہیں، اس طرح یہ قمری مہینہ ہماری زندگی کا مکمل ترجمان ہے۔

قمری مہینوں کے حوالے سے ہم ماہ صیام میں اپنی پوری زندگی کا محاسبہ کر سکتے ہیں اور اماوس کی رات آنے سے قبل جو کچھ کھو چکے ہیں اسے پا سکتے ہیں، یہ مہینہ تو آیا ہی اسی لیے ہے کہ ہم کو ہماری کوتاہیوں اور آلودگیوں سے پاک کر دے۔ قدم قدم پر ہم سے جو گناہ اور غلطیاں سرزد ہوتی ہیں ہم ان کا شمار نہیں کر سکتے ہیں، لیکن ان کو نہ دہرانے کا عزم تو کر سکتے ہیں، اللہ سے الحاح وزاری کے ساتھ توبہ کر سکتے ہیں، یقین جانیے وہ رحیم وکریم اللہ اس ماہ مبارک میں ہر شب مسلسل جہنم سے نجات کے پروانے تقسیم کر رہا ہے، اپنے دست کو کوتاہ رکھیں گے تو صرف محرومی ہاتھ لگے گی، موقع آ گیا ہے ہم اپنی بگڑی بنالیں، اپنی آخرت سنوار لیں، اپنی زندگی کا محاسبہ کر لیں اور اس سے پہلے کہ یہ مبارک مہینہ گذر جائے ہم اپنی مغفرت کروالیں۔

روزہ کا مقصد:

اللہ رب العالمین نے قرآن میں متعدد مقامات پر روزہ کا ذکر کیا ہے، ایک مقام پر وہ فرماتا ہے: ﴿یا أیها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾ (البقرۃ:۱۸۳) اے ایمان والو! روزہ تمہارے اوپر اسی طرح فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، شاید کہ تم تقوی حاصل کرو۔ اس آیت میں اللہ نے روزے کا مقصد پوری طرح واضح کر دیا ہے یعنی تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ، تقوی کا لفظ اپنے اندر وسیع معنویت سمیٹے ہوئے ہے، تقوی درحقیقت اللہ سے ڈرنے اور اس کی ناراضگی سے بچنے کی کوشش کا نام ہے، اللہ کی خوشنودی، اس کی

رضامندی کے حصول کے لیے ہر طرح کی مشقت اور آزمائش کے لیے ہمہ وقت تیار رہنے اور اس کی قربت حاصل کرنے کا نام تقوی ہے، اللہ کا تقرب یوں ہی نہیں حاصل ہوجاتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے انہیں برضا ورغبت بجالائیں، جن افعال سے منع کیا ہے ان سے پہلی فرصت میں باز آجائیں، دلوں کو خشیت الٰہی سے معمور کرنے کے لیے سخت ریاضت، تربیت اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے، ماہ صیام اسی لیے ہر سال آتا ہے کہ ہم تقوی کو خوب مستحکم کرلیں، اپنے دل کو صبغۃ اللہ میں رنگ دیں، اور یہ رنگ اس قدر پختہ ہو کہ رمضان کے گذرنے کے بعد بھی اس کا اثر باقی رہے، بقیہ گیارہ مہینے کا سماجی دباؤ، مادی آلائش، اس کے رنگ کو پھیکا نہ کردے، آپ نے سنا ہوگا کہ ہر کھیل میں اصل مقابلے سے قبل کھلاڑیوں کا کیمپ لگایا جاتا ہے انہیں سخت تربیت دی جاتی ہے، انہیں ہر طرح کے داؤں پیچ سکھلائے جاتے ہیں تاکہ اصل مقابلے میں انہیں کھلاڑی بروئے کار لاکر ٹیم کو جیت دلا سکے۔ اگر رمضان میں ہم نے تقوی کو توانا بخشا تو سال بھر برائیاں ہمارے قریب نہیں آئیں گی۔ مومن ایمان لاتے ہی ولی صفت نہیں بن جاتا ہے بلکہ تقوی اسے ولی صفت بناتا ہے۔

یہ روزہ امت محمدیہ ہی پر نہیں فرض کیا گیا بلکہ پچھلی امتوں پر بھی فرض تھا، آج بھی عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر مذاہب میں روزے کی بگڑی ہوئی شکل موجود ہے۔

روزہ کا مقصد ہے کہ مسلمان اللہ رب العالمین کی اطاعت کا خوگر بن جائے۔ اس راہ میں دو بڑی رکاوٹیں ہیں ایک تو خارجی دشمن ہے جو شیطان ہے، ماہ صیام میں اللہ رب العالمین نے اسے دراندازی سے روک دیا ہے، دوسرا دشمن اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے وہ ہمارا نفس ہے، روزہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت وریاضت کے ذریعہ اسے قابو میں کیا جاسکتا ہے۔ بھوک پیاس کے ذریعہ اس کے ان تقاضوں کو کچلا جاسکتا ہے جو انسان کو متواتر گناہوں پر مجبور کرتے ہیں۔ ان تقاضوں میں شہوانی جذبات، بھوک وپیاس کی شدت سرفہرست ہے، ان جذبوں کی زیادتی ہمیں بے قابو کردیتی ہے اور ہم گناہ پر گناہ کیے جاتے ہیں، روزہ ان کی نکیل کس دیتا ہے اور نفس کو اس طرح سدھالیتا ہے کہ وہ آپ کے اشاروں پر چلنے لگتا ہے، نفس کی مثال اس سرکش گھوڑے کی ہے جو پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتا ہے، آپ اس پر سوار ہونا چاہیں تو دولتیاں جھاڑتا ہے اور سوار ہوجائیں تو ہر چار قدم کے بعد آپ کو پٹخ دینا چاہتا ہے، لیکن یہی گھوڑا جب سدھالیا جاتا ہے تو ایک بچہ بھی اسے اپنے اشاروں پر دوڑاتا ہے، یہی حال نفس کا ہے جسے روزے کے ذریعہ ہم اپنے قابو میں کرلیتے ہیں اور گناہوں کو اپنے قریب بھی نہیں آنے دیتے ہیں، انسان فطری طور پر جلد باز واقع ہوا ہے، روزہ انسان کو صبر اور استقامت کا عادی بنادیتا ہے۔ مصائب سے لڑنے کی صلاحیت بخشتا ہے۔ ہمارے سامنے انواع واقسام کی لذیذ ڈشیں ہوتی ہیں پھر بھی ہم ایک لقمہ بھی اپنے منہ تک نہیں لے جاتے ہیں، پیاس کی شدت سے زبان اور حلق سوکھ جاتا ہے، سامنے فریز کا ٹھنڈا پانی اور مشروبات کا ڈھیر ہوتا ہے مگر صرف اللہ کی رضا کے لیے خود کو قابو میں رکھتے ہیں۔

روزہ کی فضیلت:

دوسری عبادات کی بہ نسبت روزہ کے فضائل لامحدود ہیں، ان کے فضائل سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں، بس یوں سمجھ لیجئے اللہ نے آپ کو جنت کے خریدنے کا ایک سنہری موقع عنایت کیا ہے، ایسا سیل لگایا ہے جس میں سو فیصد ڈسکاؤنٹ ہے، بس نیک نیتی کے ساتھ فجر سے غروب شمس تک بھوک پیاس پر قابو رکھیے، برائیوں سے اجتناب کیجئے، عبادتوں میں زیادتی کیجئے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے خود کو تیار کر لیجئے، بیوی کی قربت سے بچئے اور اس کے بدلے میں جنت کے بلند و بالا محلات، بہتی نہریں، پھلوں کے باغات اور ہر طرح کی اخروی کامیابی خرید لیجئے، اس ماہ میں اللہ رب العالمین تو اپنی عنایات، رحمتیں، برکتیں، مغفرت لٹانے پر تلا ہوا ہے، اب یہ ہمارے اوپر ہے کہ اپنے دامن کو ان خزانوں سے بھرتے ہیں یا ہماری بدنصیبی ہمیں ان سے محروم کر دیتی ہے، روزے کے فضائل کا ان چند قرآنی آیات اور احادیث سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: ﴿یا أیها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾ (البقرۃ:۱۸۳)

﴿شهر رمضان الذین أنزل فیه القرآن﴾ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ اللہ اکبر اس سے بڑھ کر فضیلت کیا ہوگی کہ اللہ نے اسی مبارک ماہ میں قرآن کا نزول لوح محفوظ میں کیا اور پھر حالات اور مواقع کے لحاظ سے بتدریج آپ ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا۔

احادیث:

۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رمضان میں ایمان اور ثواب کا کام سمجھ کر روزہ رکھے، اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (متفق علیہ)

۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

۳- جنت کا ایک دروازہ ''باب الریان'' صرف روزہ داروں کے لیے مخصوص ہے۔ (متفق علیہ)

۴- روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ کو مشک کی بو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ (متفق علیہ)

۵- روزہ دار کے لیے دہری خوشیاں ہیں، ایک جب وہ افطار کرے اور دوسری جب وہ (اپنے روزے سے رب کو راضی کر کے) اللہ سے ملاقات کرے گا۔ (متفق علیہ)

۶- اللہ رب العالمین روزہ دار کو بہ نفس نفیس اس کی اجرت دے گا۔ (صحیح بخاری)

ایک بادشاہ عام ملازمین کو بندھی ٹکی اجرت دیتا ہے، لیکن جب معاملہ مقربین کا ہوتا ہے تو اجرت کا اصول بدل جاتا

ہے اور مقدار بھی بے حساب ہو جاتی ہے، یہی حال مومن بندے کا ہے، اس کے ہر نیک عمل کی جزا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے اور جب اللہ رب العالمین خود اسے اپنے ہاتھوں سے جزا دے تو اجر لامحدود ہو جاتا ہے۔

روزے کو رائیگاں نہ کیجیے:

ہمارے مسلم معاشرے میں عام طور پر مسلمان روزہ رکھتے ہیں، یہاں پر ان لوگوں کا ذکر کرنا ہی فضول ہے جو ماہ صیام کی اہمیت سے بالکل نا آشنا ہیں، ان کے نزدیک عام دنوں اور ایام صیام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسلام، عبادات، ارکان اسلام سے بیزاری انہیں اخروی ناکامی اور شاہراہ جہنم پر گامزن کیے ہوئے ہے۔ کچھ اعمال ایسے ہیں جو روزہ دار کی کامیابی کی راہ میں روڑا بن جاتے ہیں، قدم قدم پر شعوری اور لاشعوری طور پر کچھ چھوٹی چھوٹی غلطیاں اور گناہ سرزد ہو جاتے ہیں جو ان کی نیکیوں کو اکارت کر ڈالتے ہیں اور روزہ کو رائیگاں کر دیتے ہیں، ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتا ہے کہ روزے کا جو ثواب ہم نے کمایا ہے وہ ہماری بداعمالیوں کی نذر ہو گیا۔ ذیل میں چند ایسے اعمال کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ہمارے روزہ کے لیے زبردست خطرہ ہیں۔

۱-حیلہ سازی: ماہ صیام کی چاپ سنائی دیتے ہی کچھ لوگ ترک صوم کے حیلے تلاش کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں، ڈاکٹروں کے پاس جا کر ان کی توثیق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کسی صاحب کی ایسیڈیٹی رمضان کے قریب آتے ہی بڑھ جاتی ہے تو کچھ لوگ سر درد کے بہانے اور خود ساختہ امراض کے سبب یا محنت ومشقت والے کاموں کی وجہ سے روزہ ترک کر دیتے ہیں ممکن ہے اس طرح وہ خود کو مطمئن کر لیں مگر یاد رکھیں اللہ رب العالمین دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے، انه علیم بذات الصدور۔ اس کی گرفت سے بچنا ناممکن ہے۔ دراصل ایمان کی کمزوری اور ہمت کی کمی اس کی بنیادی وجہ ہے، ایسے لوگوں کو چاہئے قرآن پاک تفسیر کے ساتھ پڑھیں، جنت وجہنم کے بیانات پر مشتمل کتابیں پڑھیں، سیرت نبوی اور احادیث نبویہ کا مطالعہ کریں، علماء اور صلحاء کی مجالس کو ترجیح دیں کہ ایمان مستحکم ہو۔ اسلام کے ارکان پر عمل کیے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ ایسے افراد سماج کو دھوکہ دے سکتے ہیں مگر اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

۲-نماز میں لاپرواہی: عام طور پر مسلمان ماہ صیام میں نماز کا ضرور اہتمام کرتے ہیں، جو سال بھر نماز نہیں پڑھتے ہیں وہ بھی نمازی بن جاتے ہیں مگر کچھ بدقسمت ایسے ہیں جنہیں روزہ کے دنوں میں بھی نماز کی توفیق نہیں ہوتی ہے، یا اس کا اہتمام نہیں کرتے ہیں، ایسے لوگ یا تو سستی اور کاہلی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں یا وہ نماز اور روزہ دونوں میں تفریق کے قائل ہیں۔ یاد رکھیں جو اللہ ہمیں ماہ صیام میں بھوکا پیاسا رہنے کا حکم دیتا ہے وہی اللہ اقامت صلاۃ کا بھی حکم دیتا ہے، روزہ کا مقصد احکام الٰہی کی تعمیل اور بجا آوری ہے، اللہ کی یہ کیسی اطاعت ہے کہ ایک فرض کو ادا کریں دوسرے کو ترک کر دیں، یہ تو سراسر اللہ کی نافرمانی اور تمرد ہے۔ ایسی کوتاہی آپ سے سرزد ہو رہی ہے تو بھوکا پیاسا رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بغیر نماز کے روزہ کا تصور محال ہے۔

۳-شہوانی دروازوں کو کھلا رکھنا: جنسی جذبات اور اس کی تسکین سے اجتناب روزہ کا جز ہے کچھ روزہ دار اس پر بظاہر عمل تو کرتے ہیں، وہ روزے کی حالت میں اپنی بیویوں سے دور رہتے ہیں مگر دانستہ یا نادانستہ وہ شہوانیت کا دروازہ کھلا رکھتے ہیں، مثلاً انہیں نگاہوں پر کوئی قابو نہیں ہے۔ مجلسوں میں، آفسوں میں، سر بازار نامحرم خواتین کو گھور کر جنسی تسکین حاصل کرتے ہیں یا فحش گفتگو سے جنسی تلذذ حاصل کرتے ہیں، یاد رکھیں یہ امور آپ کے روزے کو برباد کر دیتے ہیں، اگر آپ ذکر واذکار کو حرز جان بنالیں، اوراد و وظائف اور تسبیحات سے اپنی زبانیں تر کرتے رہیں تو شہوت کا تصور بھی آپ کے قریب نہیں پھٹکے گا، بیوی سے روزہ کی حالت میں بوس و کنار کی اجازت تو ہے مگر بے قابو ہونے کا خطرہ بھی موجود ہے، اس لیے اس سے بھی روزہ کی حالت میں دور رہیں تو بہتر ہوگا۔

۴-غیر ضروری گفتگو: اسلام نے روزے کی حالت میں بات چیت اور باہمی گفتگو سے روکا نہیں ہے، لیکن جب بھی باتوں کا سلسلہ دراز ہوتا ہے لازمی طور پر کسی نہ کسی کا ذکر آتا ہے اور یہیں سے گناہ آلود باتوں کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ غیبت، بہتان، الزام، جھوٹی باتیں، گالی گلوج اور جنسی موضوعات پر باتیں چل نکلتی ہیں۔ آپ کو پتہ بھی نہیں چلتا ہے اور آپ کے سب کیے دھرے پر پانی پھر جاتا ہے، ہمارے پیارے نبی ﷺ فرماتے ہیں: جس شخص نے روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور گناہ کے کاموں کو نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ (بخاری) روزے کا مقصد محض بھوکا پیاسا رہنا نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے جذبہ کا پیدا ہونا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک طرف آپ کے منہ میں کھانے کا ایک دانہ نہ جائے، دوسری طرف آپ اپنے بھائی کے گوشت سے شکم سیری کرتے رہیں۔ ظاہری طور پر شہوت سے دور رہیں مگر جنسی گفتگو سے اس کی کمی پوری کریں اللہ کے حکم پر آپ نے زبان کو خشک اور حلق کو پیاسا رکھا ہو مگر جھوٹ کی غلاظتوں سے آپ نے اسے سیراب رکھا، جس قسم کی گفتگو عام زندگی میں حرام ہے وہ روزہ کی حالت میں بدرجہ اولی حرام ہے، غیر ضروری کلام اور گناہ آلود گفتگو سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ جو کچھ کہنے جا رہے ہوں اسے پہلے سوچ لیں، اگر بات کسی غیبت جھوٹ یا گالی گلوج کی ہے تو یہ سوچ لیں کہ جس اللہ کے کہنے سے آپ بھوکے پیاسے ہیں اسی کا حکم ہے کہ ان گناہ آلود باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھیں۔ کھانا پینا جس طرح آپ کے روزے کے ظاہر کو برباد کر دیتا ہے، اسی طرح غیبت اور جھوٹ آپ کے روزے کے باطن کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ ایسی مجلسیں جہاں پر اس قسم کی باتیں روا رکھی جائیں آپ وہاں سے ہٹ جائیں۔

۵-بے قابو غصہ: روزہ کی حالت میں اظہار غضب کے بڑے دلچسپ مناظر دیکھنے میں آتے ہیں، روزے کی حالت میں اعصابی کمزوری اور بھوک پیاس کی شدت کی بنا پر چڑچڑاہٹ، جھنجھلاہٹ اور غصہ انسانی طبیعت پر غالب آجاتا ہے، خاص طور سے وہ لوگ جو سگریٹ، بیڑی، پان تمباکو اور چائے کے عادی ہوتے ہیں، بیوی بچوں پر برس پڑنا، ماتحتوں پر غصہ اتارنا،

گالی گلوج پر اتر آنا، ان کے لیے معمولی بات ہے، بات تب آگے بڑھ جاتی ہے جب فریق ثانی بھی انہیں کیفیات کا شکار ہو، بسوں میں مسافر آپس میں لڑ پڑتے ہیں، ٹریفک جام ہونے پر نوبت گالی گلوج اور ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی ہے، سبزی فروش ٹھیلے والے، گوشت والے، سائکلین وغیرہ ان کی چڑ چڑاہٹ کے شکار ہوتے ہیں۔ دراصل ایسے روزے دار اپنا یہ حق سمجھتے ہیں کہ میں روزے سے ہوں، اس لیے دوسرے کو جو کچھ میرا جی چاہے گا کہہ سکتا ہوں۔ آپ روزہ کی تعلیمات کو ذہن میں رکھیں گے تو اس غصہ سے نجات پا سکتے ہیں، اگر آپ نے اشتعال انگیز کام کیا تو اس تقوی سے محروم رہ جائیں گے جو روزہ کا بنیادی مقصد ہے، اگر ایسا کوئی موقع آتا ہے تو حدیث نبوی کے مطابق آپ یہ کہہ دیں کہ میرے بھائی میں روزے سے ہوں، میں اس گالی گلوج میں حصہ نہیں لے سکتا۔

۶-لذت کام ودہن کا تصور: ظاہر ہے کہ روزہ کی حالت میں اور پھر اس شدید گرمی کے موسم میں صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہنے کی وجہ سے کھانے پینے کی اشتہا بڑھ جاتی ہیں، اس اشتہا کو مٹانے کے لیے طرح طرح کی چٹ پٹی ڈشیں اور مختلف قسم کے مشروبات تیار کرنے میں اپنے وقت کا بیش قیمتی حصہ آپ صرف کرتے ہیں اور ان کے کھانے کے تصور میں اپنا دن کاٹتے ہیں اور افطار کا وقت ہوتے ہی آپ ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں، اس بسیار خوری کے نتیجے میں بسا اوقات اپنا وزن بڑھا لیتے ہیں، آپ کے وہ اوقات جو جنت کی خواہشات کے تصور میں صرف ہونے چاہئیں اسے دنیاوی دسترخوانوں کے تصور کی نذر کر دیتے ہیں، اس طرح دنیاوی لذت تو آپ کو مل جاتی ہے لیکن روزے کے حقیقی ثمرات سے محروم ہو جاتے ہیں، آپ اس تصور سے بچیے، کھانے پینے کا زیادہ اہتمام کے بجائے اسے فقرا، مساکین اور مستحقین کو کھلائیں، کھانے کو روزہ کا مقصد نہ بنالیں، زیادہ سے زیادہ صدقہ وخیرات کریں، زکوۃ کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔

۷-روزہ گزاری: بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہ مبارک ماہ جس میں وقت صرف کرنے کے لیے فرائض، نوافل، تلاوت قرآن، تسبیحات اور دعاؤں کا عظیم الشان سرمایہ موجود ہے، اگر آدمی خلوص دل سے اسی میں لگا رہے تو وقت کم پڑ جائے، لیکن بہت سے روزے دار ایسے بھی ہیں جن کا وقت کاٹے نہیں کٹتا ہے، کبھی وہ نٹ کی سرفنگ یا موبائل کے گیم کے ذریعہ وقت کاٹتے ہیں، ناول خوانی، ٹی وی، سو کر وقت کاٹتے ہیں، ایسے حضرات کو چاہیے کہ روزہ کاٹنے کے لیے جدول یا ٹائم ٹیبل بنائیں، تلاوت قرآن، قیام اللیل، دعائیں، سیرت نبوی کا مطالعہ، دینی کتابوں کا مطالعہ اور دینی مجلسوں اور پروگراموں میں شرکت کو معمول بنالیں۔ اس طرح روزے کا جو مقصد ہے وہ بھی پورا ہو جائے گا اور وقت بھی کٹ جائے گا۔

۸-ریاکاری: بعض لوگ خواہ مخواہ روزے کی شدت یا عدم شدت کا ذکر کرتے ہیں، مثلا یار آج تو روزہ بڑا سخت تھا، یا روزے نے آج مار ڈالا، آج تو روزہ کاٹے نہیں کٹ رہا تھا، بھئی میرے روزے تو پورے جاری ہیں، آپ کے کتنے ہوئے؟ اس طرح کے ذکر سے اگر آپ کو بتلانا مقصود ہو کہ میں بھی روزے سے ہوں تو روزے کے ثواب کو آپ نے ختم کر دیا یا کم کر دیا،

ذراسی نیت کی تبدیلی آپ کو کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے، کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو سماج اور معاشرہ کی ملامت کے ڈر سے روزہ رکھتے ہیں یعنی اگر ان کو موقع ملے تو وہ روزہ کھا جائیں۔انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا کی ملامت سے بڑھ کر اللہ کی ملامت ہے۔ دنیا کی ملامت کا خوف آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہے مگر اللہ کی ملامت آپ کی آخرت تباہ کر سکتی ہے۔

روزہ کو تباہ کرنے والے اعمال کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے، بس ہمیں دھیان میں رکھنا ہے کہ ہر نیک عمل آپ کو اللہ سے قریب کرے گا اور ہر برا عمل آپ کو اللہ سے دور کر دے گا۔آپ روزہ بھی رکھیں اور گناہ کا سلسلہ بھی چلتا رہے یہ ناممکن ہے۔ اللہ رب العالمین ہمیں ماہ صیام کی برکات کو زیادہ سے زیادہ سمیٹنے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

(بقیہ درس قرآن)

کرے گا۔تمام اولین وآخرین ایک ساتھ جمع ہوں گے۔کمزور سے کمزور انسان اور ظالم سے ظالم وجابر حکمراں اللہ کے حضور پیش ہوں گے اور اللہ تعالی سب کے اعمال کی تفصیل ان کے ہاتھوں میں پیش فرمادے گا۔اگر کوئی حجت کرنا چاہے تو کرے۔ زمین کا چپہ چپہ اور انسان کے اعضاء وجوارح، ہاتھ پاؤں اور اس کی جلد وکھال تک کو اللہ تعالی ان کے خلاف بطور شہادت کے پیش فرمادے گا۔ان کے علاوہ اگر کسی نے کسی کے ساتھ اس دنیا فانی میں کسی طرح کی بھی زیادتی وظلم اور خیانت کیا ہوگا اللہ رب العالمین مخالف کو پیش کر کے اس کا بدلہ دلائے گا اور اس کے بعد نیکی وبدی کے مطابق اگر جنت کا مستحق ہے تو جنت میں اور جہنم کا سزاوار ہے تو جہنم میں حسب مراتب داخل کرے گا، پھر وہاں کی طویل اور نہ ختم ہونے والی زندگی انسان کے لیے مسخر کر دی جائے گی۔اس عظیم دن جس کی ہیبت کا ہم تصور نہیں کر سکتے اس کا تنہا مالک اللہ رب العالمین ہے جس کا سورہ فاتحہ میں ذکر ہے اور انسان اپنی زبان سے اس کا اقرار کرتا ہے۔

(جاری)

☆☆☆

توبہ راہ نجات

ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس
امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

برادرانِ اسلام! اللہ سے ڈرو، اس کی بارگاہ میں توبہ کرو، اس سے مغفرت طلب کرتے رہو اور جان لو کہ نفس کی برائیوں میں سے ایک برائی غفلت اور بے پروائی ہے۔ جب دل سخت ہوجاتا ہے تو انسان بے حس ہوجاتا ہے، گناہ پر گناہ کرنے کے باوجود اسے کوئی احساسِ زیاں نہیں ہوتا، ضمیر میں خلش تک نہیں ہوتی۔ اس افسوسناک صورتِ حال سے نکلنے کا ایک طریقہ ترکِ معاصی ہے کیونکہ جب آدمی گناہ کرنے لگتا ہے تو اس کے دل پر زنگ اور ضمیر پر پردہ چھا جاتا ہے، وہ جس قدر گناہوں میں ملوث ہوگا اتنا ہی اس کا ضمیر بے حس اور مردہ ہوتا جائے گا۔ اس سے نجات کا بہترین طریقہ ترکِ معاصی ہے اور توبہ کی اساس بھی یہی ترکِ معاصی ہے۔ یوں تو گناہ ہر انسان سے سرزد ہوتا ہے مگر عقل مندی آدمی وہ ہے جو گناہ کے بعد توبہ کرکے اللہ کی طرف رجوع کرے۔ توبہ واستغفار ایک قلعہ ہے، توبہ کے قلعے میں محفوظ ہوجانے والا شخص گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ افراد اور معاشرے میں پائی جانے والی نافرمانیاں ہی ان کی تباہی کی بڑی وجہ ہوتی ہیں کیونکہ عموماً آزمائش اور مصیبت گناہ کے سبب ہی آتی ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ﴾ [1]

''اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے (پہنچتی ہے) اور بہت سی باتوں سے تو وہ درگزر ہی فرماتا ہے''۔

اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر دم اپنے نفس کی اصلاح کی فکر کرے، اپنی ذاتی زندگی اور اپنے گھر والوں کی روزمرہ زندگی میں پائی جانے والی خامیوں، کوتاہیوں اور بُرائیوں کو نیکیوں اور اچھائیوں سے بدلنے کی کوشش کرے، نافرمانی ترک کرکے اطاعت گزاری کی راہ اختیار کرے، سستی اور غفلت چھوڑ کر توبہ اور تعلق باللہ کی کوشش کرے۔ یہی افراد اور معاشرے کی اصلاح کا بنیادی اصول ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللّهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ [2]

''بے شک اللہ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے حتی کہ وہ اسے بدل لیں جو ان کے نفسوں میں ہے''۔

آدمی کو نہیں معلوم کہ اس کا پروانۂ اجل کب آجائے، کب اسے موت دبوچ لے۔ اسی مفہوم کو اردو کے ایک شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں — سامان سو برس کا ہے، پل کی خبر نہیں

[1] الشوریٰ ۴۲:۳۰ [2] الرعد ۱۳:۱۱

اس لیے انسان کو توبہ اور اصلاح کی طرف فوری توجہ دینی چاہیے تاکہ آخرت کی حسرت اور پچھتاوے سے محفوظ رہے۔ توبہ ہر انسان کی ایک لازمی ضرورت ہے کیونکہ کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کی زندگی کسی معصیت، غلطی اور لغزش سے پاک ہے، یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے، لہذا توبہ ہر انسان کی ضرورت ہے اور رب العالمین کو وہی بندہ محبوب ہے جو توبہ کے ذریعے اس کی طرف رجوع کرتا ہے، فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُون﴾ ۳ ''اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاسکو''۔

قرآن نے ان لوگوں کو جو توبہ نہیں کرتے، ظالم اور جاہل قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُون﴾ ۴ ''اور جو توبہ نہیں کرتے وہ یقیناً ظالم ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایمان کا واسطہ دیتے ہوئے توبہ کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ گناہوں سے آلودہ زندگی کو پاک صاف کرسکیں اور جنت میں داخل ہونے کے مستحق بن سکیں، چنانچہ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحاً عَسَى رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِىْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ۵ ''اے ایمان والو! تم اپنے رب کی بارگاہ میں مخلصانہ توبہ کرو، قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہوں کو معاف کردے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی''۔

خالص توبہ، یعنی توبۃ النصوح کب اور کیسے ہوتی ہے؟ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''التوبة النصوح: أن يتوب من الذنب ثم لا يعود إليه كما لا يعود اللبن فى الضرع'' ۶ ''توبۃ النصوح یہ ہے کہ انسان گناہوں کو چھوڑ کر دوبارہ ان کا مرتکب نہ ہو، جیسے دودھ دوہے جانے کے بعد تھن میں واپس نہیں جاسکتا''۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''هى أن يكون العبد نادما على ما مضى، مجمعا على أن لا يعود إليه''۔ ۷ ''توبہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بندہ سے جو غلطی ہوجائے اس پر نادم ہو اور آیندہ نہ کرنے کا عہد کرے''۔

اور حضرت کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''أن تستغفر باللسان، و تندم بالقلب، و تمسك بالبدن'' ۸ ''توبہ کرنے کے لیے یہ بات شرطِ لازم ہے کہ زبان سے استغفار کرو، دل میں شرمندگی محسوس کرو اور اعضائے بدن سے دوبارہ وہ حرکت نہ کرو''۔

---

۳ النور ۲۴:۳۱
۴ الحجرات ۴۹:۱۱
۵ التحریم ۶۶:۸
۶ تفسیر الطبری: ۱۲/ ۱۵۸، ومدارج السالکین لابن قیم: ۱/ ۳۰۹
۷ مدارج السالکین: ۱/ ۳۰۹
۸ مدارج السالکین: ۱/ ۳۰۹

حضرت محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''یجمعها أی: التوبة أربعة اشیاء: الإستغفار باللسان، والانقطاع بالأبدان، و إضمار ترك العود بالجنان، و مهاجرة سي الاخوان'' ۹؎ ''توبہ کرنے کے لیے چار باتیں نہایت ضروری ہیں: زبان سے استغفار کرنا، معصیت سے جسم کو دور رکھنا، دل میں پکا ارادہ کرنا کہ دوبارہ یہ گناہ نہیں کریں گے اور بُرے لوگوں کی صحبت سے دور بھاگیں گے''۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ تحریم کی آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''توبۃ النصوح ایسی پکی توبہ کو کہتے ہیں جو سرزد ہونے والی غلطی کو مٹادے اور آدمی کو دوبارہ گناہ کے راستے پر جانے سے روک دے''۔ ۱۰؎

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''توبۃ النصوح میں تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے: ترکِ معاصی، یعنی تمام گناہوں کو یک قلم چھوڑ دینا، دوبارہ کبھی نہ کرنے کا عزم اور گناہوں کی طرف لے جانے والے راستوں سے اجتناب''۔ ۱۱؎

اہل علم نے توبہ کی جو تعریف کی ہے اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ توبہ پکے ارادے، شعور اور سنجیدگی کے ساتھ ہوتی ہے، توبہ چند الفاظ کو زبان سے دہرانے کا نام نہیں کہ ایک طرف تو زبان سے توبہ کے کلمات کہے جارہے ہیں اور دوسری طرف معصیت کے سارے کام جاری رہیں بلکہ توبہ کرنے والے کے لیے لازمی ہے کہ گناہوں کی طرف لے جانے والے راستوں سے بھی دور بھاگے۔

عزیز بھائیو! توبہ کے لیے عجلت ضروری ہے، قرآن مجید اور سنت میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ توبہ کے بغیر انسان اپنے رب کی رحمتوں سے دور رہتا ہے، اسے اپنے رب کی طرف فوراً رجوع کرنا چاہیے، چاہے گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، ہر قسم کے گناہوں سے دور رہنا چاہیے۔ اگر ان گناہوں کا تعلق عبادت میں کمی وکوتاہی سے ہو تو اس کی تلافی کرے۔ اگر گناہ لوگوں کے حوالے سے کیے گئے ہوں، جیسے کسی کی غیبت کی ہے تو اس کے ساتھ معاملہ طے کرلے اور معافی مانگ لے، کسی کا مال ہڑپ کرلیا ہو تو مال حقدار کو لوٹائے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شي ء فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، إن كانه له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، و إن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه''۔ ۱۲؎

۹؎ مدارج السالکین: ۱/۳۱۰
۱۰؎ تفسیر ابن کثیر: ۸/۱۶۸
۱۱؎ مدارج السالکین: ۱/۳۱۰
۱۲؎ صحیح البخاری، حدیث: ۲۴۴۹

''جس شخص کے پاس اپنے کسی بھائی کی عزت یا کسی اور چیز سے متعلق کوئی حق ہو تو وہ اس سے آج ہی معاف کرالے، اس (دن) سے پہلے کہ جب نہ کوئی دینار ہوگا نہ درہم۔ اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس سے ظلم کے برابر نیکیاں لے لی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کے ساتھی (مظلوم) کے گناہوں میں سے (ظلم کے برابر گناہ) لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے''۔

عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ کی یہ بہت بڑی کرم فرمائی ہے کہ اس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے جن گناہ گاروں اور خطا کاروں نے معاصی سے نامۂ اعمال سیاہ کرلیا ہو انھیں چاہیے کہ وہ رب العالمین کی چوکھٹ پر سر جھکا دیں۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ وہ مقامِ رحمت ہے جہاں بڑے سے بڑا گناہ بھی معاف ہوسکتا ہے حتیٰ کہ ایک کافر بھی اگر اس در پر دستک دے اور اسلام قبول کرلے تو اس کے لیے بھی معافی کا اعلان عام ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُل لِّلَّذِيْنَ كَفَرُواْ إِن يَنتَهُواْ يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ ﴾ [۱۳]

''(اے نبی!) جن لوگوں نے کفر کیا ان سے کہہ دیجیے کہ وہ باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا انھیں معاف کر دیا جائے گا''،

اللہ تعالیٰ مختلف کبیرہ گناہوں شرک، قتل، زنا وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے: ﴿إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَأُوْلَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَّحِيماً﴾ [۱۴]

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو ان لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ اچھائیوں سے بدل دے گا اور اللہ غفور (اور) رحیم ہے''۔

توبہ کے باب میں اتنی وسعت ہے کہ تثلیث کے جن پرستاروں نے اللہ کی توحید کو تثلیث کا دھبہ لگا کر اسے بگاڑنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بھی توبہ کا دروازہ کھول دیا اور فرمایا: ﴿أَفَلاَ يَتُوبُونَ إِلَى اللّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [۱۵]

''پھر کیا وہ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے''۔

اللہ اکبر! کیسی بے مثل عظمتوں والا رب ہے اور اس کی عنایات کی بارش کس کس پر کتنی فیاضی سے بے دریغ ہو رہی ہے، فرمایا: ﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ثُمَّ اهْتَدَى﴾ [۱۶]

''اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر ہدایت پر

---

[۱۳] الأنفال ۸:۳۸ [۱۴] الفرقان ۲۵:۷۰
[۱۵] المائدۃ ۵:۷۴ [۱۶] طٰہٰ ۲۰:۸۲

رہے''۔مزید فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُواْ فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُواْ أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُواْ اللّهَ فَاسْتَغْفَرُواْ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ اللّهُ وَلَمْ يُصِرُّواْ عَلَى مَا فَعَلُواْ وَهُمْ يَعْلَمُونَ. أُوْلَـئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِىْ مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِيْنَ﴾ ۱۷

''اور وہ لوگ جب کوئی بُرا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے آپ پر ظلم کر گزرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے! اور وہ اپنے کیے پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔ وہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے بخشش اور جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے لیے (اللہ کے ہاں) کتنا اچھا اجر ہے''۔

مزید فرمایا:

﴿وَمَن يَعْمَلْ سُوءاً أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّهَ يَجِدِ اللّهَ غَفُوراً رَّحِيماً﴾ ۱۸ ''اور جو شخص بُرا عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر وہ اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا پائے گا''۔

کیسی خوشخبری ہے توبہ کرنے والوں کے لیے اور کیسی بشارت ہے مغفرت طلب کرنے والوں کے لیے کہ انسان غلطی کرے اور معافی مل جائے، اس سے گناہ سرزد ہو اور اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔ توبہ و استغفار کے لیے اللہ نے کسی مخصوص وقت اور گھڑی کی شرط بھی نہیں رکھی، اس کی عطا دن رات جاری ہے، صحیح حدیث میں ارشاد گرامی ہے:

'' إن الله عزوجل يبسط يده بالليل ليتوب مسي ء النهار، و يبسط يده بالنهار ليتوب مسيء الليل حتى تطلع الشمس من مغربها'' ۱۹

''بے شک اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ پھیلا دیتا ہے تا کہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کر لے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تا کہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کر لے (یہ سلسلہ جاری رہے گا) یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے''۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ينزل ربنا تبارك و تعالىٰ كل ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الاخر يقول: من يدعوني فأستجيب له، من يسألني فاعطيه، من يستغفرني فأغفرله؟'' ''ہر رات جب آخری تہائی حصہ باقی رہتا ہے، ہمارا رب تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور منادی کرتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے، میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے، میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش مانگے، میں اسے بخش دوں؟'' ۲۰

جب ایک گناہ گار توبہ کر کے بارگاہِ الٰہی میں ندامت کے آنسو بہاتے ہوئے پیش ہوتا ہے تو اللہ کو اپنے بھٹکے ہوئے

۱۷ آل عمران ۳: ۱۳۵-۱۳۶ ۱۸ النساء ۴: ۱۱۰

۱۹ صحیح مسلم، حدیث: ۲۷۵۹ ۲۰ صحیح البخاری، حدیث: ۱۱۴۵، وصحیح مسلم: ۷۵۸، ومسند أحمد: ۲/۴۳۳

بندے کی راہِ حق پر واپسی سے اتنی زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ اسے اِس مثال کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ ایک شخص صحرائی سفر کے لیے ایک سواری پر روانہ ہوا، اس پر تمام زادِراہ اور دیگر سامان لدا ہوا تھا، اتفاق سے وہ سواری گم ہوگئی، اس حالت میں جو پریشانی اس مسافر کو ہوسکتی تھی اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اسے اپنی موت کا یقین ہوگیا کیونکہ اس لق و دق صحرا میں اس کی سواری، کھانے پینے کی چیزیں اور جملہ سامان سب کچھ نابود ہو چکا تھا۔ ابھی وہ اسی اضطراب کے عالم میں تھا کہ اچانک اس کی سواری سامنے آ کھڑی ہوئی۔ شدید مایوسی اور ناامیدی کی اس فضا میں جب اچانک اسے اپنی سواری نظر آئی تو وہ فرطِ مسرت سے جھوم اٹھا.....[۲۱] جب کوئی راہِ راست سے بھٹکا ہوا شخص توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ کو اس سے کہیں زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی خوشی اس صحرائی مسافر کو اپنی گم شدہ اونٹنی پا کر ہوئی۔

لوگو! اپنے گناہوں کے انبار اور معصیت کے حجم کو نہ دیکھو بلکہ رب العالمین کے فضل و کرم کی وسعت کو دیکھو، اگر کوئی یہ سمجھے کہ میرے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے شاید مجھے بارگاہِ ربانی سے دھتکار دیا جائے، اس نے اللہ کی عظمت کو سمجھا ہی نہیں۔ اگر بنی اسرائیل کا ایک قاتل جس نے ننانوے لوگوں کو قتل کیا، پھر مایوسی اور بے بسی کے عالم میں ایک اور شخص کو قتل کر کے پوری سنچری بنادی۔ اس قدر خونریزی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود جب اس سفاک قاتل (Serail Killer) نے سچی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی معاف فرمادیا۔ [۲۲]

لیکن اس کا کوئی یہ غلط مطلب نہ نکالے کہ گناہ پر گناہ کیے جاؤ، برائی پر برائی کرتے رہو کیونکہ اللہ تو معاف کرنے والا ہے، بڑا غفور الرحیم ہے، لہٰذا معاف فرمادے گا۔ ایسا سوچنا اور کرنا بڑی بے حیائی، ڈھٹائی اور رُسوائی کی بات ہے۔ ایسا قدم قطعاً غلط ہوگا کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ آنے والی صبح اس کے لیے کیا پیغام لے کر نمودار ہوگی؟ بلکہ جب زندگی کا ایک لمحہ بھی گزرتا ہے تو اس کے بعد کے لمحات کی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ وہ اپنے دامن میں کیا لا رہے ہیں؟ سانس کی ڈوری کا کیا اعتبار، نہ جانے کب ٹوٹ جائے؟ دم کا کیا بھروسہ، کون جانے کب دم نکل جائے؟ اس لیے لازم ہے کہ گناہ آج اور ابھی ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا جائے اور فوری طور پر بلا تاخیر سچی توبہ کی جائے۔ ترکِ معاصی اور توبہ میں عجلت مومن کی پہچان ہے، توبہ میں تاخیر بجائے خود نہایت خطرناک غلطی ہے۔ آہ! غافل انسان کی پھر آنے والے لمحات سے بے خبری اور اس پر مزید پچھتاوا اور ندامت!!.....

فرمان ربانی ہے: ﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيْبٍ فَأُوْلَـئِكَ يَتُوبُ اللّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّهُ عَلِيماً حَكِيماً. وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّىْ تُبْتُ الآنَ وَلاَ الَّذِيْنَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُوْلَـئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَاباً أَلِيماً﴾ [۲۳]

''اللہ تعالیٰ صرف اُنھی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی بُرائی کر گزریں، پھر اس سے جلد باز آجائیں اور

[۲۱] صحیح البخاری، حدیث: ۶۳۰۹، وصحیح مسلم، حدیث: ۲۷۴۷
[۲۲] صحیح البخاری، حدیث: ۳۴۷۰، وصحیح مسلم، حدیث: ۲۷۶۶
[۲۳] النساء۴: ۱۷-۱۸

توبہ کرلیں تو اللہ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے، وہ بڑے علم والا اور حکمت والا ہے وہ ان کی توبہ قبول نہیں فرماتا جو بُرائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ ان میں کسی کی موت کا وقت آجائے تو کہنے لگے کہ میں نے توبہ کی، ان کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر پر مرجائیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے المناک عذاب تیار ہے''۔

عزیز بھائیو! یہ غفلت اور یہ خود فراموشی کب تک؟ آخر ہم اپنے مکرم پروردگار کی عظمت و بزرگی سے کب تک بے خبر رہیں گے؟ اُس کی چوکھٹ پر کب سر جھکائیں گے؟ آخر کب تک فسق و فجور اور دین بیزاری میں ہم ڈوبے رہیں گے؟

﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّه﴾ ''کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکرِ الٰہی سے نرم پڑیں''۔ ۲۴

بس اب راہِ توحید سے بھٹکے ہوئے کو راہِ راست پر آجانا چاہیے، غافل لوگوں کو بیدار ہوجانا چاہیے، اب فوری طور پر صلاۃ اور زکاۃ کا اہتمام کریں، شرک کی آلودگی سے بچیں، اخلاقی برائیوں سے پرہیز کریں، منشیات کو حرام سمجھیں، روزمرہ زندگی کو لغویات سے پاک رکھیں، موت سے پہلے جلد از جلد توبہ کی فکر کریں، جب وقت موعود آئے گا ہمیں منوں مٹی کے ڈھیر میں دبا دیا جائے گا، دوست احباب، رشتے داریاں اور دنیا کی عشرت سامانیاں قبر کی تاریکی اور تنہائی میں کام نہیں آئیں گی، وہاں صرف ایمان اور اعمال صالحہ ہی کا سہارا ہوگا، فرمان الٰہی پر غور کیجیے:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيْعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ . وَأَنِيْبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ . وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ . أَن تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَى عَلَى مَا فَرَّطتُ فِيْ جَنبِ اللَّهِ وَإِن كُنتُ لَمِنَ السَّاخِرِيْنَ . أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِيْ لَكُنتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ . أَوْ تَقُولَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِيْ كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ . بَلَى قَدْ جَاءتْكَ آيَاتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنتَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ﴾ ۲۵

''کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، تم اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، یقیناً اللہ تمہارے سارے گناہوں کو بخش دے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ تم سب اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرماں برداری کرو اس سے پہلے کہ تمہارے پاس عذاب آجائے، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص کہے کہ ہائے افسوس اس بات پر کہ میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی بلکہ میں مذاق اڑانے والوں میں تھا یا کہے کہ اگر واقعی اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور پرہیزگاروں میں سے ہوتا یا جب وہ عذاب دیکھے تو کہے کہ کاش! میرے لیے

۲۴ الحدید ۵۷:۱۶ ۲۵ الزمر ۳۹:۵۳-۵۹

ایک بار (دنیا میں) لوٹنا ہوتو میں نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔ کیوں نہیں، بے شک تیرے پاس میری آیات آئیں تو تو نے انھیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو انکار کرنے والوں میں سے تھا''۔

اللہ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے، غفلت اور معاصی سے دور رہنے کی ہمت دے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مغفرت فرمائے۔

لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اس سے مغفرت طلب کرو، اس کی جناب میں توبہ کرو اور چھوٹے گناہوں سے بھی بچو کیونکہ یہی بڑے گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں اور یہی صغیرہ گناہ انسان کو کھوکھلا کر ڈالتے ہیں، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے۔[۲۶]

معزز بھائیو! ہمیں رسول اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ آپ کی شخصیت اتنی عظیم تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا تھا، اس کے باوجود آپ ﷺ ایک ایک مجلس میں سوسو بار استغفار کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرتے تھے: ''رب اغفرلي وتب علي إنك أنت التواب الرحيم'' ''اے میرے رب! میری مغفرت فرما دے اور میری توبہ قبول کر، بے شک تو بہت زیادہ معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے''۔ [۲۷]

خود بہ نفسِ نفیس آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: والله! إني لأستغفرالله و أتوب إليه فی اليوم أكثر من سبيعن مرة'' ''اللہ کی قسم! بے شک میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ کی مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں''۔ [۲۸]

اگر یہ مقامِ مصطفیٰ اور اسوۂ مجتبیٰ ﷺ ہے تو پھر ہم گناہ گاروں اور خطا کاروں کو کتنی توبہ اور استغفار کی ضرورت ہے؟ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں اپنے اعمال کا خود احتساب کرنا چاہیے، بارگاہ رب العزت میں عجز و انکسار سے رجوع کرنا چاہیے اور ترکِ معاصی کا عہد کرتے ہوئے اپنی زندگیوں کا از سر نو جائزہ لینا چاہیے۔

برادرانِ اسلام! ہم ابھی کچھ دنوں بعد عظمت و برکت سے لبریز رمضان المبارک کا استقبال کرنے والے ہیں، اس ماہِ مبارک میں قدم رکھنے سے پہلے ہمیں اپنے گناہوں کو یک قلم چھوڑنے کا عزم کرنا چاہیے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ہونے والی کوتاہیوں کو سوچنے سمجھنے کے پیمانے بدل چکے ہیں۔ ہم استقبال رمضان کے لیے بازاروں اور دوکانوں پر ہجوم کرنے لگتے ہیں، جیسے رمضان کا مقصد کھانے پینے اور مرغوبات کی ریل پیل ہے ورنہ حقیقت میں رمضان کا استقبال توبہ و استغفار، طلب و مغفرت اور رضوانِ خداوندی کے ذریعے ہوتا ہے تا کہ اس مہینے کی برکتوں سے ہم اپنی جھولیاں بھر سکیں۔

☆☆☆

[۲۶] مسند أبي داود الطيالسي، حديث: ۴۰۰، ومسند أحمد: ۱/ ۴۰۱-۴۰۰

[۲۷] سنن أبي داود، حديث: ۱۵۱۶، وجامع الترمذي، حديث: ۳۴۳۴

[۲۸] صحيح البخاري، حديث: ۶۳۰۷

روزے کی اہمیت کو سمجھیں

ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی

عمارت خواہ کوئی بھی ہو ستون کے بغیر قائم نہیں رہتی، اسی طرح اسلام بھی اپنے ارکان (ستون) پر قائم ہے، اور رمضان کا روزہ ان ہی ستونوں میں سے ایک ہے، ہوسکتا ہے کہ روزے دار یہ سوچیں کہ یہ بار گراں صرف ہم پر ڈالا گیا ہے اور ہم سے پہلے امتوں پر نہیں تو یہ سراسر غلط فہمی ہوگی، کیونکہ اللہ رب العالمین نے خود اس کو بیان فرمادیا: ﴿یا أیها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾ (۱) مخاطب اہل ایمان ہیں کہ اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم تقوی شعار بن جاؤ۔

روزے کی اہمیت اور اس کی افادیت قرآن مجید کی بہت سی آیات اور احادیث رسول میں بیان کی گئی ہے، روزہ قرب الٰہی اور حصول جنت کا ذریعہ، وسیلۂ مغفرت، آگ سے بچانے والا، روز محشر میں سفارش کرنے والا، باب الریان سے دخول کا سبب اور بے شمار نیکیوں کے حصول کا ذریعہ ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿وأن تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون﴾ (۲) اور یہ کہ تم روزہ رکھو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

مطلب یہ کہ تھوڑی بہت پریشانی تو زندگی کا لازمہ ہے، لہذا اس کو بہانا بنا کر روزہ نہ رکھنا درست نہیں بلکہ اس کو جھیل کر روزہ رکھ لینا ہی بہتر و عقل مندی ہے اور یہ یوں ہی بلا اجر نہیں بلکہ اس کا اجر ضرور ملے گا، جو بلا واسطہ اللہ رب العالمین خود اپنی طرف سے دے گا، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿والصائمین والصائمات والحافظین فروجهم والحافظات والذاکرین الله کثیرا والذاکرات، أعد الله لهم مغفرة وأجرا عظیما﴾ (۳) کہ روزے دار خواہ مرد ہوں کہ عورتیں، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے خواہ مرد ہوں کہ عورتیں، اور بکثرت اللہ کا ذکر واذکار کرنے والے خواہ مرد ہوں کہ عورتیں، یہ سب کے سب اللہ کی مغفرت اور اجر عظیم کے مستحق ہیں۔

روزہ جیسی اہم عبادت کی اہمیت کو کچھ بے پرواہ اور من مانی قسم کے لوگ نہیں سمجھتے ہیں اور یوں ہی غفلت میں نیکیوں کا موسم بہاران کے سروں سے گذر جاتا ہے، اور انہیں اس کی اہمیت کا احساس تک نہیں ہوتا، کچھ لوگ معاشرے میں ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو اس کی اہمیت سے واقف ہونے کے باوجود عملی جامہ نہیں پہناتے، یا تو سستی ولاپرواہی کی وجہ سے یا تکبر ودین بیزاری کی وجہ سے، حالاں کہ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ بروز قیامت جنت میں جانے کے لیے یہی روزہ شافع بنے

(۱) سورہ بقرہ: ۱۸۳۔ (۲) سورہ بقرہ: ۱۸۴۔
(۳) سورہ بقرہ: ۳۵۔

گا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الصيام والقرآن يشفعان للعبد يوم القيامة، يقول الصيام: أي رب، منعته الطعام والشهوات بالنهار، فشفعني فيه، ويقول القرآن: منعته النوم بالليل، فشفعنى فيه قال: فيشفعان۔ (۱) روزہ اور قرآن مجید بروز قیامت بندے کے لیے سفارش کریں گے، روزہ بولے گا: اے پروردگار! میں نے اسے دن میں کھانے اور شہوانی جذبات سے روک رکھا تھا، لہذا تو میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما، قرآن کہے گا، میں نے اسے رات کو سونے سے محروم رکھا، لہذا میری سفارش اس کے حق میں قبول فرمالے، نبی کا فرمان ہے: "فيشفعان" دونوں کی سفارش قبول کرلی جائیں گی۔

روزے کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ صائمین کے لیے جنت کا ایک دروازہ مخصوص ہوگا سوائے روزے دار کے اس سے کوئی اور داخل نہ ہوگا، حضرت سہل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إن في الجنة بابا يقال له الريان يدخل منه الصائمون يوم القيامة، لا يدخل منه أحد غيرهم، يقال: أين الصائمون؟ فيقومون: لا يدخل منه أحد غيرهم، فإذا دخلوا أغلق فلم يدخل منه أحد۔ (۲) جنت میں ایک دروازہ ریان کے نام سے ہے، بروز قیامت مذکورہ دروازے سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے، کہا جائے گا: کہاں ہیں روزے دار؟ چنانچہ روزے دار کھڑے ہوجائیں گے، صرف یہی روزے دار اس سے داخل ہوں گے، ان کے دخول کے بعد اس دروازے کو بند کردیا جائے گا، چنانچہ ان کے علاوہ اس سے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔

روزے کی اہمیت اور اس کی خوبی کا اندازہ ایک حدیث قدسی سے لگائیے، جس میں اللہ تعالی نے روزے کی اجرت کو خود دینے کی بات کہی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: الصوم لی، وأنا أجزي به، يدع شهوته وأكله وشربه من أجلي، والصوم جنة، وللصائم فرحتان، فرحة حين يفطر، وفرحة حين يلقى ربه، ولخلوف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسك۔ (۳) روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا (کیوں کہ) روزے دار اپنی شہوت وچاہت، کھانا پینا میرے وجہ سے چھوڑتا ہے، اور روزہ ڈھال ہے، اور روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک افطار کے وقت اور دوسری جب وہ اپنے رب سے ملے گا، اور روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالی کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔

روزہ جہنم کی آگ کے لیے ڈھال ہے، جیسا کہ میدان کارزار میں جنگجو کے ہاتھ میں سامنے والے کی وار سے بچنے

(۱) صحیح الجامع الصغیر: ۲/۷۲۰۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۱۸۹۶۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب التوحید: ۷۴۹۲۔

کے لیے ڈھال ہوا کرتا ہے، حضرت عثمان نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: الصيام جنة من النار، كجنة أحدكم من القتال۔ (۱) کہ روزہ جہنم کی آگ سے (بچاؤ کے لیے) ڈھال ہے، جیسا کہ تم میں سے کسی کا لڑائی کے وقت (اپنی بچاؤ کے لیے) ڈھال ہوتا ہے۔ روزے کی افادیت اور اس کی اہمیت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ روزہ گناہوں سے بخشش کا ذریعہ ہے، بخاری کی بہت ہی معروف ومشہور حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من صام رمضان إيمانا واحتسابا، غفر له ما تقدم من ذنبه۔ (۲)

جس نے رمضان کے روزے بحالت ایمان ثواب کی نیت سے رکھا، اس کے پچھلے گناہ (صغائر) معاف کردیے جائیں گے، ماہ رمضان اور اس کے روزوں کی عظمت کی وجہ سے اس ماہ میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازوں کو بند کردیا جاتا ہے اور مردود شیطانوں کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے، بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إذا دخل رمضان فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب جهنم وسلسلت الشياطين۔ (۳) یعنی ماہ رمضان میں بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے اور دوزخ کے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو بیڑیاں پہنادی جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ رمضان کے روزوں کی کافی اہمیت وافادیت ہے، ہم لوگوں پر ضروری ہے کہ اس کی افادیت کو سمجھیں اور دوسروں کو بھی اس کی خوبیوں سے روشناس کرائیں۔

اللہ تعالی ہم تمام مسلمانوں کے روزوں اور دیگر عبادات کو قبول فرمائے، آمین۔

☆☆☆

(۱) سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۹۔

(۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۸۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، ح: ۳۲۷۷۔

روزہ کے فضائل اوراس سے متعلق جدید طبی مسائل

مولانا مقبول احمد سلفی
داعی دفتر تعاونی برائے دعوت وارشاد شمال طائف (مسرہ)

رمضان المبارک بندہ مومن کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے باعث سعادت ہے۔یوں تو اللہ کی طرف سے بندوں کے لئے بہتیرے مواقع ایسے ہیں جو باعث اجروثواب ہیں مگر رمضان مقدس کی بات ہی کچھ اور ہے۔یہ رحمت وبرکت سے لبریز، بخشش وعنایت سے پر، مغفرت ورضوان کا مہینہ ہے۔اس کا ایک ایک دن اور ایک ایک رات اور رات ودن کا ایک ایک لمحہ خیر وبرکت سے معطر ہے۔

روزہ گو کہ سال میں ایک دفعہ اور فقط ایک مہینہ کے لئے آتا ہے مگر اس کے فیوض وبرکات اور آثار ونتائج کم از کم سال بھر مرتب ہوتے ہیں۔

قرآن کریم اور صحیح احادیث کی روشنی میں رمضان اور روزہ کے بے شمار فضائل ہیں، انمیں سے چند ایک آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

(1) رمضان میں قرآن کریم کا نزول:

اللہ تعالی کا فرمان ہے: **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ**

ترجمہ: ماہ رمضان وہ (مقدس) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں راہنمائی اور حق وباطل میں امتیاز کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جو اس (مہینہ) میں (وطن میں) حاضر ہو (یا جو اسے پائے) تو وہ روزے رکھے۔

(2) رمضان میں روزے کی فرضیت:

مذکورہ بالا آیت جو نزول قرآن سے متعلق ہے اس آیت میں روزے کی فرضیت کی بھی دلیل ہے۔

(3) جنت کا دروازہ کھلنا:

(4) جہنم کا دروازہ بند ہونا:

(5) شیاطین کا قید کیا جانا:

مذکورہ بالا تینوں خصائص کی دلیل:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(إذا جاء رمضان, فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب النار و صفدت الششياطين ۔(متفق عليه)

ترجمہ: جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں اور شیاطین مقید کردئے جاتے ہیں۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

(فتحت ابواب الرحمة وغلقت ابواب جهنم و سلسلت الشياطين)

ترجمہ: رحمت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں اور شیاطین مقید کردئے جاتے ہیں۔

(6) شب قدر:

اسی ماہ مبارک میں لیلۃ القدر ہوتی ہے، جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ (سورة القدر)

ترجمہ: ''شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔''

مجاہدؒ کا قول ہے: اس رات کا عمل، روزہ اور قیام ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے (تفسیر القرآن العظیم 4/ 687)

یعنی ایک رات کی عبادت کم از کم تراسی سال چار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے اور زیادہ کا کوئی شمار نہیں۔

(7) مغفرت کا حصول:

جو ایمان ویقین اور اجر وثواب کی نیت سے روزہ رکھے اس کے لئے پچھلے گناہوں سے مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

(8) قیام کرنے والوں کے لئے مغفرت کا حصول:

جو ایمان ویقین اور اجر وثواب کی نیت سے رمضان شریف کی راتوں میں قیام کرے تو اس کو سابقہ گناہوں سے گلوخلاصی ملتی ہے۔

(9) شب قدر میں قیام کرنے سے مغفرت:

چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

" من صام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه, ومن قام ليلة القدر إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه".

ترجمہ: جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور احتساب (حصول اجر وثواب کی نیت) کے ساتھ رکھے، اس کے اگلے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ اور جو لیلۃ القدر میں ایمان واحتساب کے ساتھ نماز میں کھڑا رہے اس کے بھی اگلے تمام

گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب لیلۃ القدر)

(10) جہنم سے آزادی:

ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

"للہ عند کل فطر عتقاء" (رواہ احمد وقال الالبانی رحمہ اللہ: حسن صحیح)

ترجمہ: اللہ تعالی ہر افطار کے وقت (روزہ داروں کو جہنم سے) آزادی دیتا ہے۔

ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک روایت جسے علامہ البانیؒ نے حسن قرار دیا ہے اس میں مذکور ہے کہ ہر رات اللہ تعالی اپنے بندوں کو جہنم سے آزادی دیتا ہے۔

(11) دعا کی قبولیت:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان للہ تبارک وتعالی عتقاء فی کل یوم ولیلۃ یعنی فی رمضان – وان لکل مسلم فی کل یوم ولیلۃ دعوۃ مستجابۃ (رواہ البزار وقال الالبانی: صحیح لغیرہ)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ (رمضان المبارک میں) ہر دن اور ہر رات بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اور ہر دن اور ہر رات ہر مسلمان کی ایک دعا قبول کی جاتی ہے''۔

(12) روزہ کا بدلہ بے حد وحساب:

(13) روزہ دار افطار کے وقت اور رب سے ملاقات کے وقت فرحت محسوس کرتا ہے:

(14) روزہ دار کی منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مشک سے بہتر ہے:

ابوہریرہؓ سے مروی ہے:

"قال اللہ عزوجل: کل عمل ابن آدم لہ، الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ، والصیام جنۃ، فاذا کان یوم صوم احدکم، فلا یرفث ولا یصخب، فان سابہ احد او قاتلہ، فلیقل: انی صائم، والذی نفس محمد بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک۔ للصائم فرحتان یفرحھما، اذا افطر فرح بفطرہ، واذا لقی ربہ فرح بصومہ" (متفق علیہ)

ترجمہ: اللہ تعالی فرماتا ہے: روزہ کے علاوہ ابن آدم کے تمام اعمال اس کے لئے ہیں اور روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دونگا۔ روزہ ڈھال ہے۔ جب تم میں سے کسی نے روزہ رکھا ہو تو وہ کوئی گناہ کا کام نہ کرے اور نہ وہ جھگڑا اور نہ ہی شور وشرابہ کرے۔ اگر کوئی دوسرا اس سے زبان درازی کرے تو اس سے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بہتر ہے۔

روزہ دار کے لئے دوخوشیاں ہیں ایک تو جب روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔

مسلم شریف کی ایک روایت ہے:

"کل عمل ابن آدم یضاعف ، الحسنة بعشر امثالها الی سبعمائة ضعف ، قال اللّٰه تعالی : الا الصوم فانه لی و انا اجزی به ، یدع شهوته و طعامه من اجلی "

ترجمہ: ابن آدم کے ہر عمل کا بدلہ بڑھا کر دیا جاتا ہے، نیکی (بدلہ) دس گنا سے سات سو گنا لکھی جاتی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: سوائے روزے کے یہ خالص میرے لئے ہے اور اس کا بدلہ میں ہی دوں گا۔ وہ خواہشات اور کھانے کو میرے لئے ترک کرتا ہے۔

(15) روزہ دار کے لئے جنت میں مخصوص دروازہ:

"عن سهل بن سعد رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه و سلم قال : ان فی الجنة بابا یقال له الریان ، یدخل فیه الصائمون یوم القیامة ، لایدخل منه احد غیرهم ، فاذا دخلوا اغلق فلم یدخل منه احد (متفق علیه)

ترجمہ: سیدنا سہل بن سعدؓ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے، قیامت کے دن اس میں روزہ داروں کے علاوہ کوئی داخل نہیں ہوگا۔ جب وہ اس میں داخل ہو جائیں گے تو اس دروازہ کو بند کر دیا جائے گا، پھر اس میں کوئی اور داخل نہیں ہو سکے گا۔

ترمذی میں ان الفاظ کی زیادتی ہے: ومن دخله لم یظما ابدا جو اس میں داخل ہو گیا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

(16) روزہ جہنم سے ڈھال ہے:

"عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه عن النبی ﷺ قال : الصیام جنة و حصن حصین من النار " (رواه احمد باسناد حسن)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے اور جہنم سے بچاؤ کا مضبوط قلعہ ہے۔

(17) روزہ خیر و برکت کا دروازہ:

"عن معاذ بن جبل رضی اللّٰه عنه ان النبی ﷺ قال : الا ادلکم علی ابواب الخیر ؟ قلت : بلی یا رسول اللّٰه ! قال : الصوم جنة ، الصدقة تطفی الخطیئة کما یطفی الماء النار " (رواه الترمذی و قال الالبانی رحمہ اللہ : صحیح لغیره)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں خیر کے دروازوں کی خبر نہ دوں،

میں نے کہا کیوں نہیں، اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے۔صدقہ گناہوں کو ویسے ہی مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو۔

(18)روزہ باعث سفارش:

"عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الصیام والقرآن یشفعان للعبد یوم القیامۃ، یقول الصیام: ای رب، منعتہ الطعام والشھوۃ فشفعنی فیہ، ویقول القرآن: ای رب، منعتہ النوم باللیل فشفعنی فیہ۔ قال: فیشفعان" (رواہ احمد والطبرانی وصححہ البانی رحمہ اللہ)

ترجمہ:''روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے۔روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اس بندے کو دن کے وقت کھانے (پینے) سے اور جنسی خواہش پوری کرنے سے روک دیا تھا، پس تو اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما۔قرآن کہے گا: میں نے اس کو رات کے وقت سونے سے روک دیا تھا، پس تو اس کے بارے میں سفارش قبول فرما۔چنانچہ ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔''

(19)روزہ کی کوئی برابری نہیں:

ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہمیں نفع پہنچائے تو آپ نے فرمایا:

"علیک بالصیام فانہ لا مثل لہ" (رواہ ابن حبان وصححہ البانی رحمہ اللہ)

ترجمہ:تم روزہ رکھو کیونکہ اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔

(20)روزہ تقوی کا ذریعہ:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:**یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِینَ مِن قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ (سورۃ البقرۃ)**

" ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کر دیئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ''۔

(21)جہنم سے دوری:

بندہ جس قدر روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان اسی قدر دوری بڑھا تا ہے۔نبی ﷺ کا فرمان ہے:

(من صام یوما فی سبیل اللہ، باعد اللہ وجھہ عن النار سبعین خریفا) (متفق علیہ)

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک دن روزہ رکھا، تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو جہنم سے ستر سال (کی

مسافت کے قریب) دور کر دیتا ہے۔

یہ ایک دن کے روزہ کا بدلہ ہے اور جب بندہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے، یا ہر ہفتہ، سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھے، یا پھر ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھے تو ان کا کیا حال ہوگا۔

(22) رمضان میں عمرہ حج کے برابر:

اس مہینہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ہوتا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری خاتون سے فرمایا:

''**فَإِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَاعْتَمِرِیْ، فَإِنَّ عُمْرَةً فِیْهِ تَعْدِلُ حَجَّةً**''۔(**متفق علیه**

''ترجمہ: جب ماہِ رمضان آجائے تو تم اس میں عمرہ کر لینا کیونکہ اس میں عمرہ حج کے برابر ہوتا ہے

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''**فَإِنَّ عُمْرَةً فِیْ رَمَضَانَ تَقْضِیْ حَجَّةً مَّعِیْ**''۔(البخاری:۱۸۶۳، مسلم:۱۲۵۶)

''رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کی قضا ہے۔

یہ تھے چند فضائل، رمضان اور روزہ سے متعلق۔اب مضمون کے دوسرے حصے روزہ کے جدید طبی مسائل کی طرف التفات کرتے ہیں۔

روزہ کے جدید طبی مسائل

(1) مسواک:

روزہ دار کے لئے رات ودن کے کسی حصے میں مسواک کرنا سنت ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"**السواک مطهرة للفم مرضاة للرب**" (**رواه البخاری**)

ترجمہ: مسواک سے منہ صاف ہوتا ہے اور اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے۔

شیخ ابن عثیمینؒ فرماتے ہیں کہ اگر مسواک کا مزہ اور اثر تھوک میں آجائے تو روزہ دار کو چاہئے کہ تھوک اور ذائقہ نہ نگلے۔(فتاوی الصیام)

البتہ ٹوتھ برش اور پیسٹ کا استعمال کرتے وقت ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ پیسٹ قوی الاثر ہے یا غیر قوی الاثر، کیونکہ بازار میں موجود پیسٹ دونوں طرح کی ہیں۔

☆ اگر پیسٹ قوی الاثر ہو یعنی اس کا اثر معدہ تک پہنچتا ہو تو ایسی پیسٹ استعمال نہ کی جائے۔

☆ اور اگر پیسٹ کا اثر معدہ تک نہیں پہنچتا ہو صرف حلق تک محدود رہتا ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

(2) قطرات کا استعمال (Drops) :

ضرروت کے تحت آنکھ، ناک اورکان میں قطرات (Drops) ڈالنا کوئی حرج کی بات نہیں، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ جوقطرات آنکھ، ناک یا کان میں ڈالے جاتے ہیں ان کا اثر معدہ تک نہیں پہنچتا۔ تاہم احتیاطا اس عمل کو رات تک مؤخر کرلیا جائے تو اولی اور افضل ہے۔

(3) بے ہوشی (Anaesthisia) :

کبھی کبھی انسان پر بے ہوشی کے حالات طاری ہوتے ہیں اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں مثلا کسی حادثے میں شکار ہوکر بے ہوش ہوجائے یا علاج کی غرض سے بے ہوش کیا جائے۔ اس سے متعلق احکام مندرجہ ذیل ہیں۔

☆ ناک میں گیس سونگھا کر یا چینی طریقے سے حساس مقام پر سوئی چبھوکر بعض حصے کو بے ہوش کرنا ناقض روزہ نہیں ہے۔

☆ مریض کی رگ میں سریع العمل انجکشن لگا کر مخصوص مدت کے لئے عقل کو ماؤف کرنا بھی ناقض روزہ نہیں ہے۔

☆ مریض نے بے ہوشی سے پہلے روزہ کی نیت کرلی اور پھر بے ہوش ہوا اور غروب شمس سے پہلے پہلے افاقہ ہوگیا تو اس کا روزہ صحیح ہے مگر غروب آفتاب کے بعد افاقہ ہونے پر روزہ نہیں درست ہوگا۔ اس لئے ایسے روزہ کے متعلق بہتری اسی میں ہے کہ اس کی قضا کرلی جائے۔

☆ بے ہوشی اگر لمبی مدت مہینہ دو مہینہ والی ہو تو اسے جنون پر قیاس کیا جائے گا اور فرض روزے چھوٹ جانے پر اس کی قضا کا مکلف نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ اللہ تعالی انسان کو اس کی طاقت سے باہر کا مکلف نہیں بنایا ہے۔

(4) پچھنا، نشتر اور نکسیر کا حکم:

پچھنا کے سلسلہ میں دو طرح کی احادیث وارد ہیں بعض روایات میں ذکر ہے کہ پچھنا لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جبکہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بحالت روزہ پچھنا لگوایا (صحیح بخاری) اور دوسروں کے لئے سینگی لگانے کی رخصت بھی دی۔ (طبرانی، دارقطنی)

بعض علماء نے روزہ ٹوٹنے والی روایات کو منسوخ مانا ہے اور آپ ﷺ کے عمل یا امت کو رخصت دینے والی روایات کو ناسخ مانا ہے۔ اس لئے روزہ کی حالت میں پچھنا سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ البتہ اکثر و بیشتر اہل علم کی نظر میں سینگی ناقض روزہ ہے لہذا اختلاف سے بچنے کے لئے میں یہ مشورہ دونگا کہ اس عمل کو رات تک مؤخر کرلے۔

(5) جسم کے اندرونی حصے میں آلات یا پائپ داخل کرنا:

علاج کی غرض سے کبھی مریض کے معدے میں یا ضرورتا کبھی مقعد میں یا صنف نازک کے اگلے اور پچھلے راستے میں

آلات یا پائپ وغیرہ داخل کئے جاتے ہیں تا کہ اندرونی حصے کا چیک اپ کیا جائے۔اس کی مختلف شکلیں اور طریقے ہیں۔
ان حالات میں غور طلب امر یہ ہے کہ اگر اوزار یا آلات کے استعمال میں غذائی مواد ہو تو روزہ فاسد شمار ہوگا، اور یونہی بغرض معائنہ یا علاج کی خاطر غیر غذائی مواد کا استعمال ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ دراصل یہ عمل انجکشن کے مشابہ ہے اور اسی طرح کے احکام بھی لاگو ہونگے۔

(6) ٹیکہ لگانا (Injection) :

☆ ٹیکہ چاہے جلد میں لگے، چاہے گوشت میں لگے یا پھرنس میں لگے۔اگر ان ٹیکوں میں غذائی مواد نہیں تو روزہ درست ہے ورنہ روزہ فاسد ہوگا۔

☆ شوگر کے مریض کا ٹیکہ لگانا بھی جواز کے قبیل سے ہے۔

☆ شریان میں مستقل لگی رہنے والی سوئیوں کا بھی یہی حکم ہے۔

(7) گردوں کی صفائی (Dialysis) :

گردوں کے مریض کو ڈائیلیسس کیا جاتا ہے اور اس کے مختلف طریقے ہیں مگر جتنے بھی طریقے رائج ہیں ان میں غذائی ادویہ کا استعمال ہوتا ہے اس لئے شرعی نقطہ نظر سے ڈائیلیسس کا عمل ناقض روزہ ہے۔اگر بغیر غذائی ادویہ کے علاج ممکن ہو تو پھر روزہ درست ہوگا۔

(8) خون کا عطیہ (Blood Donation) :

ضرورت پڑنے پر روزہ دار اپنا خون چیک اپ کرا سکتا ہے اور کسی دوسرے مریض کو اپنا خون نکال کر عطیہ بھی کر سکتا ہے۔یہ عمل روزہ پر اثر انداز نہیں ہوتا، یہی شیخ ابن بازؒ کی بھی رائے ہے۔(مجموعہ فتاوی ابن بازؒ 15/274)

(9) ٹکیوں کا استعمال (Tablets) :

دل کی بعض بیماریوں کے لئے اطباء ٹکیوں کا نسخہ دیتے ہیں، یہ ٹکیاں زبان کے نیچے رکھی جاتی ہیں اور فورا منہ میں تحلیل ہو جاتی ہیں، ایسا کرنے سے مریض کو راحت محسوس ہوتی ہے۔

چونکہ یہ ٹکیاں منہ ہی تک محدود رہتی ہیں ان کا اثر اندر نفوذ نہیں کرتا، اس لئے ان ٹکیوں کا استعمال بھی بحالت روزہ جائز ہے۔

(10) جلد پر مادے کا استعمال:

علاج کی غرض سے ہو یا شوق کے طور پر،،،،،جلد پر کسی بھی قسم کا تیل، مرہم اور کریم کا استعمال کر سکتے ہیں۔

۲ جلد پر ملی جانے والی کوئی بھی چیز مسام کے ذریعہ جلد کے نیچے خونی مواد میں جذب ہو جاتی ہے لیکن جذب ہونے کا یہ

عمل بہت سست ہے۔لہذا جلد پر ملی جانے والی بھی چیز ناقض روزہ نہیں (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہؒ 267 /25)

(11)دانتوں کی صفائی:

روزہ کی حالت میں دانتوں کی صفائی (Scaning) یا دانت نکلوانا یا دانتوں کی اصلاح کرنا سارے امور جائز ہیں۔ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ اس عمل کو رات کے لئے مؤخر کردیں یا دن میں ایسا عمل انجام دینے کی صورت میں دانتوں سے بہنے والا خون حلق سے نیچے نہ اتارے۔دانتوں کی صفائی میں استعمال ہونے والے ٹیکے بھی روزے کے لئے نقصان دہ نہیں۔

(12)زخموں کا علاج:

جسم کے کسی حصے میں زخم ہو،روزہ دار ان زخموں کا علاج کراسکتا ہے کیونکہ یہ عمل نہ تو کھانے پینے پر قیاس کیا جائے گا اور نہ ہی عرف میں اسے کھانا پینا کہتے ہیں۔

(13)اسپرے کا حکم:

دمہ کے مریضوں کے لئے اسپرے (بخاخ) کی ضرورت پڑتی ہے، یہ ان کی سخت ترین مجبوری ہے،اوراسلام میں قاعدہ ہے کہ آدمی جس چیز کا مضطر ہوتا ہے اس کے لئے اس چیز کا استعمال جائز ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

"وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ "(الأنعام:119)

ترجمہ:اور جو چیزیں اس نے تمہارے لئے حرام ٹھہرادی ہیں وہ ایک ایک کرکے بیان کردی ہیں (بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ ان کے (کھانے کے) لیے ناچار ہوجاؤ.

لہذا دمہ کا مریض روزہ رکھتے ہوئے اسپرے کا استعمال کرے گا اور اس کا روزہ درست ہوگا۔اور اسے رکھے گئے روزہ کی قضا نہیں کرنی پڑے گی۔

اللہ تعالی نے دین اسلام کو اپنے بندوں کی خاطر آسان بنادیا ہے،حسب سہولت یعنی بقدر استطاعت دین پر عمل پیرا ہونا ہماری اولین ذمہ داری ہے۔ جہاں اللہ تعالی نے مسافروں، مریضوں اور معذوروں کو رخصت دی ہے وہاں رخصت پر عمل کرنا ہی افضل ہے اور رخصت پر عمل کرتے ہوئے دل میں ذرہ برابر بھی تنگی کا احساس نہ پیدا ہونے پائے جیسا کہ بعض مخصوص طبقوں میں یہ دیکھا جاتا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے رمضان المبارک کے فیوض وبرکات سے ہمارا دامن بھر دے اور سابقہ تمام گناہوں سے پاک کردے اور ہر کوشش کرنے والوں کو شب قدر کی فضیلت عطا فرئے۔آمین

***

وتر کے احکام ومسائل

محمد اسلم مبارک پوری

وتر کی نماز کا حکم:

وتر کی نماز کے حکم کے بارے میں علمائے کرام میں اختلاف ہے۔امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء کے نزدیک وتر کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔واجب نہیں ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ الفتاوی الکبری (۱۸۳/۱) میں تحریر فرماتے ہیں:"الوتر سنة مؤكدة باتفاق المسلمين" وتر سنت موکدہ ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔یہی قول ابوبکر حنبلی اور علمائے مالکیہ میں سے اصبغ اور سحنون کا ہے۔(مغنی ابن قدامہ ۵۹۱/۲ فتح الباری ۵۶۸/۲-المحرر فی الفقہ ۸۸/۱، الشرح الممتع :۱۱/۴)

صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ نماز وتر سنت مؤکدہ ہے۔واجب نہیں۔

دلائل درج ذیل ہیں:

۱- ابن محیریز کہتے ہیں کہ بنو کنانہ کے ایک شخص نے جسے مخدجی کہا جاتا تھا، شام کے ایک شخص سے (جسے ابومحمد کہا جاتا تھا) سنا، وہ کہہ رہا تھا: وتر واجب ہے۔مخدجی نے کہا: میں یہ سن کر عبادہ بن صامت-رضی اللہ عنہ- کے پاس گیا اور ان سے بیان کیا تو انہوں نے کہا: ابومحمد نے غلط کہا ہے۔میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:''خمس صلوات كتبهن الله على العباد فمن جاء بهن لم يضيع منهن شيئا استخفافا بحقهن كان له عندالله عهد أن يدخله الجنة، ومن لم يأت بهن فليس له عندالله عهد إن شاء عذبه وإن شاء أدخله الجنة''پانچ نمازیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کی ہیں۔جس شخص نے ان کو اس طرح ادا کیا ہو کہ ان کی حیثیت ہلکی سمجھ کر ضائع نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لیے وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔اور جو شخص ان کو ادا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لیے کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔چاہے اسے عذاب دے۔چاہے جنت میں داخل کرے۔(ابوداؤد (۱۴۲۰) نسائی (۲۳۱/۱، حدیث:۴۶۲) ابن ماجہ (۱۴۰۱) موطا مالک (ص:۱۲۰) احمد (۴۲۴/۴، ۳۱۵/۵) دارمی (۱۵۷۷) اس حدیث کو ابن حبان، منذری اور دیگر محدثین نے صحیح کہا ہے۔صحیح ابوداؤد (۱۲۷۶) صحیح الجامع (۷۶۵)

۲- حضرت طلحہ بن عبیداللہ کہتے ہیں کہ اہل نجد کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، جس کے بال پراگندہ تھے۔ہم اس کی آواز کی بھنبھناہٹ تو سنتے تھے لیکن ہمیں اس کی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی حتی کہ وہ قریب آ گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اسلام کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"خمس صلوات في اليوم والليلة. قال: هل علي غيرهن. قال: لا ، إلا أن تطوع''دن اور رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔اس نے کہا: کیا اس کے علاوہ بھی کوئی

نماز مجھ پر فرض ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:نہیں،مگر یہ کہ تو نفل پڑھے۔

یہ ایک لمبی حدیث ہے جس کی تخریج بخاری (۴۶) مسلم (۱۱) ابوداؤد (۳۹۱) نسائی (۴۵۹) احمد (۱/۱۶۲) موطا مالک (:۱۵۹) دارمی (۱۵۷۸) بیہقی (۱/۳۶۱) وغیرہ نے کی ہے۔

۳- حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:''الوتر ليس بحتم كهيئة الصلاة المكتوبة ولكن سنة سنها رسول الله ﷺ''.

وتر کی نماز فرض نماز کی طرح واجب نہیں ہے۔بلکہ یہ سنت ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لیے جاری کیا ہے۔ ترمذی (۴۵۴) نسائی (۱۶۷۷) دارمی (۱۵۷۹) احمد (۱/ ۱۰۷،۱۱۰،۱۴۳-۱۴۴) امام حاکم نے مستدرک (۱/۳۰۰) میں اسے صحیح کہا ہے، نیز دیکھیں: صحیح الترمذی (۳۷۵) صحیح الترغیب والترہیب (۵۹۰) صحیح الجامع (۱۴۴۵،۱۴۶۱)

۴- نماز وتر اس لیے بھی واجب نہیں ہے کہ اسے سواری پر پڑھنا-بالاتفاق-درست ہے۔نبی ﷺ سنن ونوافل کو سواری پر ہی ادا کرلیا کرتے تھے۔اگر نماز وتر واجب ہوتی تو آپ ﷺ اسے سواری پر ادا نہ کرتے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:الواجب لا يفعل على الراحلة. (الفتاوی الکبری (۱/۱۸۳) بلکہ اتر کر زمین پر پڑھتے،جیسا کہ آپ فرض نمازوں کے لیے کیا کرتے تھے۔الرسالۃ (ص:۴۶) مسائل امام احمد و اسحاق بروایۃ .....(۲۹۴) مغنی ابن قدامہ (۲/۵۹۲) فتح الباری (۲/ ۵۶۷) منۃ المنعم (۱/۴۴۳) حاشیہ السندی علی النسائی (۳/۲۳۲)

صحیح مسلم (۳۹/۷۰۰) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:''كان النبى ﷺ يسبح على الراحلة قِبَل اي وجه توجه ويوتر عليها غير أنه لا يصلى عليها المكتوبة''۔نبی ﷺ نفل نماز سواری پر پڑھتے تھے اس طرف کو جدھر سواری کا رخ ہوتا۔اور سواری پر وتر بھی پڑھتے تھے۔لیکن فرض نماز سواری پر نہیں پڑھتے تھے۔

صحیح بخاری (۱۰۰۰) کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سفر میں ایسا کرتے تھے۔(رکوع وسجود) اشارہ سے کرتے تھے۔لیکن فرض نماز سواری پر نہیں پڑھتے تھے اور وتر سواری پر پڑھتے تھے۔

مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں:

وفي هذا الحديث دليل واضح على أن الوتر من النوافل. منۃ المنعم (۱/۴۴۴) اس حدیث میں واضح دلیل ہے کہ وتر کی نماز نفل ہے (واجب نہیں ہے)۔ابن عبدالبر قرطبی رحمہ اللہ وتر کی سنیت کے دلائل اور وجوب وتر کی تردید ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: وكان رسول الله ﷺ يتنفل على راحلته ويوتر على الراحلة ويصلي المكتوبة بالأرض، وفي هذا إبطال قول من جعل الوتر واجبا. (الکافی:۱/۲۲۳) نبی ﷺ اپنی سواری پر نفل اور نماز وتر پڑھتے تھے،اور فرض نماز زمین پر پڑھتے تھے۔اس میں نماز وتر کو واجب کہنے والوں کے قول کا بطلان ہے۔

۵- وتر کے وجوب کی روایتیں یا تو ضعیف ہیں۔فتح الباری (۲/ ۵۶۵) ضعیف الجامع (۶۱۵۰) الارواء (۴۱۷) اور

جو صحیح ہیں وہ محتمل ہیں، خوب واضح نہیں ہے۔ جب کہ ان کے مقابلے میں صحیح اور قطعی روایات جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں وہ پانچ نمازوں کی فرضیت ثابت کرتی ہیں، اور زائد کی نفی کرتی ہیں۔ الرسالۃ (:۳۴)

صحابیٔ رسول حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے وتر کے واجب ہونے کے قول کو کتنی عمدگی کے ساتھ رد کر دیا کہ نبی ﷺ نے ہمیں تو صرف پانچ وقت کی نمازوں کی فرضیت کے بارے میں بتایا ہے۔ اگر وتر واجب ہوتی تو آپ ﷺ اسے ضرور بیان فرما دیتے۔

یا پھر وہ فضیلت وتاکید پر دلالت کرتی ہیں۔ مغنی ابن قدامہ (۲/۵۹۴)

مزید برآں شیخ صالح بن عبدالسمیع ازہری نے وجوب وتر کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔ الثمر الدانی (ص:۱۳۹)۔ لہذا درست اور راجح بات یہی ہے کہ نماز وتر سنت موکدہ ہے۔ جیسے بلاوجہ ترک نہیں کیا جاسکتا ہے۔ دارمی (۱۵۷۹) نبی ﷺ سفر وحضر میں اس پر مواظبت فرماتے تھے۔

یہ واضح رہے کہ ابوداؤد (۱۴۲۱) ترمذی (۴۵۳) وغیرہ میں حضرت علی کی روایت میں أوتروا يا أهل القرآن کا یہ جملہ وجوب وتر پر دلالت نہیں کرتا ہے، بلکہ اہل قرآن کے ساتھ خاص کرنا اس کی سنیت اور عدم وجوب کی دلیل ہے، کیوں کہ وجوب کا حکم بلا امتیاز ہر ایک کے لیے ہوتا ہے، چند افراد کے لیے خاص نہیں۔ اور بعض علماء حدیث کی تشریح کے مطابق اس سے مراد قیام اللیل ہے۔ ترمذی (۱/۴۶۳)۔

اسی طرح حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی روایت: ''إن الله قد أمدكم بصلاة وهي الوتر'' (ابوداؤد (۱۴۱۸) ترمذی (۴۵۲) دارمی (۱۵۷۶) اور حضرت ابوبصرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس کے الفاظ یہ ہیں: " إن الله زادكم صلاة'' مسند احمد ۶/ ۷ اثرم بحوالہ مغنی ۲/۵۹۲، سے وجوب وتر پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ نماز کی زیادتی اور تمدید تو سنن ونوافل میں ممکن ہے نہ کہ فرض میں۔ فرض نماز کے بارے میں اس فرمان نبوی "إنهن خمس" (مسلم:۱۶۲/۲۵۹) نے اضافے اور زیادتی کے سارے دروازے کو مسدود کر دیا ہے جب کہ یہ دروازہ سنن ونوافل میں کھلا ہوا ہے۔ چنانچہ امام موفق الدین ابن قدامہ لکھتے ہیں: ''زيادة الصلاة يجوز أن تكون سنة''۔ مغنی (۲/۵۹۴)

اگر وتر کی نماز رات کو نہ پڑھی جائے تو کیا دن میں اس کی قضا کی جاسکتی ہے۔ اگر کی جائے تو کیسے؟

وتر کی نماز کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے فجر تک ہے۔ صحیح بخاری (۹۹۶) ومسلم (۱۳۶/۷۴۵) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: "من كل الليل قد أوتر رسول الله ﷺ وانتهى وتره إلى السحر "رات کے ہر حصہ میں (شروع میں، درمیان میں، اخیر میں) وتر پڑھتے تھے۔ اور آپ ﷺ کا وتر پڑھنا صبح کے قریب پہنچا۔ ابوداؤد (۱۴۳۵) ترمذی (۴۵۶) کی روایت میں ہے: ''فانتهى وتره حين مات إلى السحر''، یعنی جس وقت آپ ﷺ کی وفات ہوئی آپ کی وتر صبح ہونے کے قریب پہنچ گئی۔

ابوداؤد (۱۴۱۸) ترمذی (۴۵۲) دارمی (۱۵۷۶) وغیرہ کی صحیح روایت میں خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:''الوتر جعله الله لكم فيما بين صلاة العشاء إلى أن يطلع الفجر''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نماز وتر کا وقت نماز عشاء سے لے کر طلوع فجر تک مقرر کیا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز وتر قیام اللیل کا حصہ ہے۔نماز عشاء کا حصہ نہیں ہے۔اس کا مسنون وقت نماز عشاء سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔(مغنی:۲/۵۹۵،الکافی لابن عبدالبر:۱/۲۱۸) تاہم اسے سونے سے پہلے پڑھ لینا چاہئے۔نبی ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو سونے سے پہلے پڑھنے کی وصیت کی ہے۔بخاری (۲/۵۶۴) خاص طور سے ایسے افراد کو جنھیں رات کے اخیر حصہ میں بیدار ہونے کی امید نہ ہو۔اور جسے رات کے اخیر حصہ میں بیدار ہونے کی توفیق مل جائے تو ایسے افراد کے لے بہتر یہ ہے کہ رات کے اخیر حصہ میں وتر کی نماز پڑھے۔کیوں کہ رات کے اخیر حصہ میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔مسلم (۱۶۲/۷۵۵)

لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے نماز وتر اس کے مقررہ اوقات میں نہ پڑھ سکے یا یہ نیت کر کے سوگیا کہ رات کے اخیر حصہ میں اٹھ کر کے پڑھ لیں گے،مگر اٹھ نہ سکا تو ایسی صورت میں نماز فجر کے بعد پڑھ لے۔سنن نسائی (۶۱۳،۱۶۸۶) میں صحیح سند سے محمد بن منتشر بیان کرتے ہیں وہ عمرو بن شرحبیل کی مسجد میں تھے کہ جماعت کے لیے اقامت کہی گئی۔پھر لوگ ان کا انتظار کرنے لگے (وہ آئے تو) انھوں نے فرمایا: میں وتر پڑھ رہا تھا۔انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا اذان فجر کے بعد وتر پڑھ سکتے ہیں؟انھوں نے فرمایا: ہاں، بلکہ اقامت کے بعد بھی۔پھر انھوں نے نبی ﷺ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دن نماز فجر سے سوئے رہے حتی کہ سورج طلوع ہوگیا۔پھر آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔دیکھیں: مسلم (۳۰۹/۶۸۰) یہاں اقامت سے مراد جماعت ہے۔کیوں کہ اقامت کے بعد نماز جائز نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قضا جیسے فرائض وواجبات کی ادا ہوتی ہے ایسے ہی سنن ونوافل کی بھی ہوسکتی ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیان کرنے کا مقصد غالبا یہی ہے کہ فوت شدہ نماز خواہ نفل ہی کیوں نہ ہو۔وقت کے بعد بھی پڑھی جاسکتی ہے۔حاشیہ السندی علی النسائی (۳/۲۳۱) اور یہی بات درست ہے۔رسول اللہ ﷺ کی دیگر احادیث سے بھی جو وتر سے متعلق ہیں،اس کی تائید ہوتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:''من نام عن وتره أو نسيه فليصله اذا ذكره''جو شخص اپنی وتر کے لیے بیدار نہ ہوسکا یا وتر پڑھنا بھول گیا،تو جب اسے یاد آئے ضرور پڑھے۔ابوداؤد (۱۴۳۱) یہ روایت صحیح ہے۔صحیح الجامع (۱۴۵۴)

سنن ترمذی (۴۶۵) کی صحیح روایت میں یہ لفظ زیادہ ہے وإذا استيقظ اور جب نیند سے بیدار ہو۔

ترمذی (۴۶۶) کی دوسری صحیح روایت میں ہے:من نام عن وتره فليصل إذا أصبح''جو کوئی اپنی وتر سے

سوجائے تو جب صبح کرے تو اسے پڑھ لے۔ دیکھیں: صحیح الترمذی (۳۸۷) ارواء الغلیل (۴۲۲) صحیح الجامع (۱۴۵۵) ان احادیث کے پیش نظر جمہور صحابہ، تابعین، امام ابوحنیفہ اور شافعی کے نزدیک وتر کی قضا مستحب ہے، لیکن ان ائمہ کرام نے قضاء کے وقت میں اختلاف کیا ہے۔ جائزۃ الاحوذي (۱/۴۷۴) امام احمد اور امام مالک کے نزدیک نماز صبح کے بعد وتر کی قضا نہیں ہے۔ الرسالۃ الفقہیہ لابن ابی زید القیروانی (ص:۱۴۴) مسائل امام احمد واسحاق بروایۃ الکوسج (۲۹۵) محدث مبارک پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک امام شافعی اور ان کے ہمراہ علماء کا قول احادیث کے موافق ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔ تحفۃ الاحوذی (۲/۵۸۲)۔

رہی اس کی ادائیگی کی کیفیت تو اسی طرح ادا کی جائے گی جس طرح وتر کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جس کی وتر کی نماز رہ جائے تو وہ سورج نکلنے کے بعد اس کی قضا جفت کی شکل میں ادا کرے۔ یعنی ایک رکعت کی جگہ دو رکعت، تین رکعت کی جگہ چار رکعت لیکن یہ خیال درست نہیں ہے اور دلیل سے عاری ہے۔ اس لیے عام شخص کے لیے وتر کی قضاء وتر ہی کی شکل میں مناسب معلوم ہوتی ہے۔

اگر نماز وتر میں دعائے قنوت بھول جائے تو کیا نماز ہوجائے گی؟

ہاں! نماز ہوجائے گی۔ نماز نہ دہرانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی سجدہ سہو کرنے کی۔ کیوں کہ سجدہ سہو واجب کے بھول جانے سے ہوتا ہے۔ اور رکن یا شرط کے بھول جانے سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔ المحرر فی الفقہ (۱/۸۱)

دعائے قنوت کا پڑھنا وتر میں واجب نہیں ہے۔ اس لیے اسے بھول کر چھوڑ دینے سے نہ سجدہ سہو ضروری ہے اور نہ ہی لوٹانے کی ضرورت ہے۔ لیکن دعائے قنوت کو قصداً ترک نہیں کرنا چاہئے۔ فتاوی شیخ الحدیث (۱/۳۲۴، ۳۲۹، ۳۶۲)

امام ابن عبدالبر قرطبی الکافی (۱/۱۷۵) میں لکھتے ہیں: ''ومن لم يقنت فلا شيء عليه'' جس نے دعائے قنوت نہیں پڑھی اس پر کوئی (گناہ) نہیں ہے۔ نیز قنوت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''ولا سجود على أحد نسي شيئاً من ذلك'' حوالہ بالا (۱/۱۹۵) یعنی دعائے قنوت بھول جانے سے سجدہ سہو نہیں ہے۔

یہی چیز صالح بن عبدالسمیع ازہری نے الثمر الدانی (ص:۶۵۲) میں بیان کیا ہے۔

وتر کی نماز کی تعداد کتنی ہے اور اس کی افضل تعداد کیا ہے؟ اور اس کو کتنے سلام سے پڑھا جائے؟

نماز وتر ایک، تین، پانچ، سات اور نو رکعتیں ہیں۔ ایک رکعت نماز وتر پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایک رکعت نماز وتر پڑھا کرتے تھے۔ جن کی تعداد شمار سے باہر ہے، جیسا کہ امام ماوردی نے الحاوی الکبیر (۲/۲۹۳) میں بیان کیا ہے، ان اجلہ صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، سعد بن أبی وقاص، زید بن ثابت، ابوموسی اشعری، عبداللہ بن عمر بن خطاب، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن

زبیر، معاویہ اور عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ ان کے علاوہ عروہ، مکحول، عمرو بن میمون، سعید بن المسیب، عطاء بن ابی رباح، امام مالک، امام شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ کی ایک جماعت ہے۔ اسی کو امام بغوی نے شرح السنۃ (۸۳/۴) اور امام نووی نے شرح مسلم (۳۰/۶-۳۳-۴۷) میں اختیار کیا ہے اور جمہور علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔ نیز دیکھیں: الام ۸۹۸/۱، فتح الباری ۵۵۸/۲، المغنی ۱۵۷۸/۲، التعلیق الممجد ۶/۲ وغیرہ۔

☆ ایک رکعت وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک رکعت پڑھیں اور سلام پھیر دیں۔

بعض حضرات یہاں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک رکعت اس وقت پڑھتے تھے جب اس سے پہلے تہجد کی رکعتیں پڑھ لیتے تھے کیوں کہ صحیح بخاری (۹۹۰) مسلم (۷۴۹/۱۴۵) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: ''صلاة الليل مثنى مثنى، فإذا خشي أحدكم الصبح صلى ركعة واحدة توتر له ما قد صلى'' رات کی نماز دو دو رکعت ہے، جب تم میں سے کسی کو صبح طلوع ہونے کا خدشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ اس کی ساری نماز کو وتر بنا دے گی۔

لیکن یہ اعتراض درست نہیں۔ کیوں کہ تہجد کے بغیر بھی ایک رکعت وتر پڑھنا ثابت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''الوتر ركعة من آخر الليل'' (مسلم ۱۵۲/۱۵۳) وتر آخر رات میں ایک رکعت ہے۔ مسلم (۷۵۳/۱۵۵) میں ابو مجلز لاحق بن حمید کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وتر کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''ركعة من آخر الليل'' کہ وتر آخر رات میں ایک رکعت ہے۔

بخاری (۳۷۶۴-۳۷۶۵) میں ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد صرف ایک رکعت وتر پڑھا اور وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا غلام بھی موجود تھا۔ اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آکر یہ واقعہ بتایا تو انھوں نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو، وہ صحابی رسول-ﷺ- ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے: وہ فقیہ ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وصح عن جماعة من الصحابة أنهم أوتروا بواحدة من غير تقدم نفل قبلها'' یعنی صحابہ کرام کی ایک جماعت سے صحیح ثابت ہے کہ ان حضرات نے نفل پڑھے بغیر ایک رکعت وتر ادا کیا ہے۔ (فتح الباری: ۵۵۹/۲)

اسی بات کو ابن نصر مروزی نے مختصر قیام اللیل (ص: ۲۹۵) میں ذکر کیا ہے اور اخیر میں یہ لکھا ہے: '' وأصحاب النبي ﷺ أولى بالاتباع'' نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اتباع کے زیادہ حقدار ہیں۔

☆ تین رکعت وتر بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ اس کے پڑھنے کا طریقہ دو ہے:

پہلا طریقہ:

یہ ہے کہ دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا جائے، پھر ایک رکعت الگ سے پڑھی جائے۔ یعنی دو تشہد اور دو سلام سے۔

یہی طریقہ افضل ہے:''لأن الأحاديث فيه أقوى و أكثر عن النبى ﷺ''۔(زادالمعاد ۱/ ۳۱۹) یہی امام مالک، امام شافعی اورامام احمد کا مختار مذہب ہے۔المغنی ۲/ ۵۸۸، الروض المربع،ص:۱۲۲، قیام اللیل للمروزی،ص:۲۸۴-۲۸۵، وصلاۃ اللیل للألبانی ص:۱۱۲)اس کی دلیل بخاری (۹۹۱) کی وہ روایت ہے جسے نافع نے روایت کیا ہے کہ:'' أن عبدالله بن عمر كان يسلم بين الركعة والركعتين في الوتر حتى يأمر ببعض حاجته''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وتر میں دو رکعت اور ایک رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ اس درمیان میں اپنی بعض ضروریات کی تکمیل کا حکم بھی دیتے تھے۔

طحاوی کی شرح معانی الآثار (۱/ ۲۷۸) میں سالم بن عبداللہ کے طریق سے مروی ہے کہ ان کے والد''كان يفصل بين شفعه ووتره بتسليمة''(ڈبل) اور وتر کے درمیان سلام پھیر کر الگ الگ کر دیتے تھے۔''وأخبر أن النبى ﷺ كان يفعل ذلك'' اور یہ خبر دیا کہ نبی ﷺ ایسا کرتے تھے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''إسناده قوي'' اس کی سند قوی ہے۔فتح الباری ۲/ ۵۵۹۔

اس مضمون کی ایک اور روایت مسند احمد ۲/ ۷۶ میں بسند جید مروی ہے۔

دوسرا طریقہ:

یہ ہے کہ تینوں رکعتیں مسلسل پڑھی جائیں یعنی ایک تشہد اور ایک سلام سے۔حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:''كان رسول الله ﷺ يقرأ فى الوتر بسبح اسم ربك الأعلى، وفى الركعة الثانية قل يا أيها الكافرون، وفى الثالثة: قل هوالله أحد، ولا يسلم إلا فى آخرهن ''نسائی (۱۷۰۲) رسول اللہ وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الأعلى، دوسری رکعت میں قل يا أيها الكافرون اور تیسری رکعت میں قل هوالله أحد پڑھا کرتے تھے اور آخر میں سلام پھیرتے تھے۔نسائی کی دوسری روایت (۱۷۳۷) میں ہے:'' فإذا فرغ من الصلاة قال: سبحان الملك القدوس، ثلاث مرات'' اور جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ سبحان الملک القدوس پڑھتے۔نسائی کی ایک تیسری روایت (۱۷۳۵-۱۷۳۴) میں ہے: تیسری دفعہ میں اس جملہ کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔

مستدرک حاکم (۱/ ۳۰۶) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:''كان النبى ﷺ يوتر بثلاث لا يقعد إلا فى آخرهن''رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے تو اخیر ہی میں بیٹھتے تھے۔نیز دیکھیں: القول المقبل فی شرح وتعلیق صلاۃ الرسول،ص:۵۷۸۔

ان دونوں طریقوں کو اختیار کرنے سے مغرب کی نماز سے مشابہت نہ ہوگی۔جو کہ ممنوع ہے۔فرمان رسول ﷺ ہے:''لا توتروا بثلاث تشبهوا بصلاة المغرب'' مستدرک حاکم ۱/ ۳۰۴، ابن حبان ۲۴۲۹، ابن نصر مروزی،ص ۳۰۰، اس حدیث کو امام حاکم اور ذہبی نے بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔(فتح الباری ۲/ ۵۵۸) مغرب کی نماز کی طرح وتر

کی تین رکعتیں نہ پڑھو۔

شیخ البانی رحمہ اللہ اپنی کتاب صلاۃ التراویح (ص:۱۱۲) میں فرماتے ہیں: ''الایتار بثلاث بتشهدين كصلاة المغرب لم يأت فيه حديث صحيح صريح، بل هو لا يخلو من كراهة، ولذلك نختار أن لا يقعد بين الشفع والوتر، وإذا قعد سلم، وهذا هوالأفضل۔

☆ پانچ یا سات رکعت وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ صرف آخری رکعت کے تشہد میں بیٹھیں اور سلام پھیر دیں۔ بیچ میں ہرگز تشہد میں نہ بیٹھیں۔

مسلم (۷۳۷) میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''كان رسول الله ﷺ يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة، يوتر من ذلك بخمس، لا يجلس في شيء إلا فى آخرها ''رسول اللہ ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ان میں پانچ رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔اوران پانچ رکعتوں کے اخیر میں بیٹھتے تھے۔

نسائی (۱۷۱۵) ابن ماجہ (۱۱۹۲) میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: '' كان رسول الله ﷺ يوتر بخمس وسبع لا يفصل بينهما بسلام ولا بكلام ''رسول اللہ ﷺ پانچ یا سات وتر پڑھتے تو درمیان میں نہ سلام پھیرتے اور نہ کلام فرماتے۔

ابوداؤد (۱۴۲۲) نسائی (۱۷۱۱) ابن ماجہ (۱۱۹۰) اور مسند احمد (۵/۴۱۸) وغیرہ کتب احادیث میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''أن النبى ﷺ قال: الوتر حق، فمن شاء أوتر بسبع، ومن شاء أوتر بخمس، ومن شاء أوتر بثلاث، ومن شاء أوتر بواحدة'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وتر حق ہے، جو چاہے سات پڑھ لے، جو چاہے پانچ پڑھ لے، جو چاہے تین پڑھ لے اور جو چاہے ایک پڑھ لے۔

یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ احناف اسی حدیث سے نماز وتر کے وجوب پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''حق'' وجوب کے معنی میں ہے۔لیکن یہ معنی صحیح نہیں ہے۔حق مؤکد کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہی معنی یہاں مناسب ہے تاکہ دوسری احادیث کے خلاف نہ ہو۔مگر اسی روایت میں ایک رکعت وتر کے ثبوت کو نہیں مانتے جب کہ اس روایت میں وتر کے ایک رکعت صحیح ہونے کا صریح جواز ہے۔

☆ **نو رکعت وتر پڑھنے کا طریقہ** بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ۹/ رکعات وتر پڑھتے اور صرف آٹھویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھتے۔اللہ کا ذکر کرتے اس کی تعریف کرتے۔اوراس سے دعا کرتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہوجاتے۔ پھر نویں رکعت ادا کرتے، پھر بیٹھتے، اللہ کا ذکر کرتے، اس کی تعریف کرتے اوراس سے دعا کرتے پھر سلام پھیرتے۔مسلم (۷۴۶)

پانچ، سات اور نو رکعات وتر پڑھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہر دو دو رکعت پر سلام پھیرا جائے، پھر اخیر میں ایک

رکعت الگ سے پڑھ لی جائے۔(الحاوی الکبیر۲/۲۹۳)امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: الأفضل في الوتر وغيره من الصلوات أن يسلم فی كل ركعتين''(شرح مسلم ۶/ ۴۷) وتر اور دیگر نوافل کے بارے میں افضل یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیا جائے۔نیز دیکھیں:مختصر قیام اللیل،ص:۲۸۴۔

سنن ترمذی (۱/۴۶۴) میں امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابومصعب مدینی سے حدیث (كان النبي ﷺ يوتر بالتسع والسبع) کے بارے میں سوال کیا کہ نبی ﷺ نو اور سات رکعت وتر کیسے پڑھتے تھے۔جواب دیا کہ: ''يصلي مثنى مثنى، ويسلم، ويوتر بواحدة'' دو دو رکعت پڑھتے تھے اور سلام پھیرتے تھے، پھر ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔

حدیث میں ہے:''صلاة الليل مثنى مثنى'' (بخاری ۹۹۰) مسلم (۱۴۵/۷۴۹) یعنی رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:''هذا الحديث محمول على الأفضل، وهو: أن يسلم من كل ركعتين، وسواء نوافل الليل و النهار.''شرح نووی مسلم(۶/۳۰) یہ حدیث افضلیت پر محمول ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیر دے۔اس میں رات و دن کے نوافل برابر ہیں۔

تاہم سات رکعت وتر پڑھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ چھٹی اور ساتویں میں بیٹھے مگر سلام ساتویں رکعت ہی میں پھیرے۔شرح نسائی (اردو) ۳/ ۵۱۷- قیام اللیل مروزی (ص:۲۸۴) الشرح الممتع ۴/ ۱۵اور اس موضوع کی ایک روایت مسند احمد (۶/۵۳) میں موجود ہے۔

سابقہ سطور میں جن تعداد کو بیان کیا گیا ہے ان میں سے جس کو بھی اختیار کر کے پڑھ لے شرعاً درست ہے۔مختصر قیام اللیل ص:۲۹۵،کسی ایک تعداد کو پکڑ کر اس پر جمے رہنا اور باقی کو ترک کر دینا اتباع سنت کے خلاف ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان میں کون سی تعداد افضل ہے؟

اس سے پہلے واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ کے حوالہ سے کوئی ایسی روایت ہمیں دستیاب نہ ہو سکی جس کی بنیاد پر کہا جائے کہ فلاں تعداد افضل ہے۔لیکن علماء کرام نے ترجیح کے اصول وضوابط کی روشنی میں کثرت رواۃ کو قلت رواۃ پر ترجیح دی ہے، اس لیے ایک رکعت وتر پڑھنے والی روایات کو تین رکعت والی روایات پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہوگی۔بنابریں ایک رکعت وتر پڑھنا ہمارے نزدیک افضل ہے۔ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی وجہ افضلیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:'' الأخبار التي رويت عنه أنه أوتر بواحدة هي أثبت وأصح و أكثر عند أهل العلم بالأخبار''(مختصر قیام اللیل، ص:۲۸۵) وہ روایتیں جو آپ ﷺ سے ایک رکعت وتر پڑھنے کے بارے میں مروی ہیں وہ زیادہ ثابت، اور زیادہ صحیح اور محدثین اہل علم کے نزدیک (تین رکعات وتر کے بالمقابل) زیادہ ہیں۔

ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ زاد المعاد (۱/۳۲۰) میں لکھتے ہیں:''أكثر الحديث وأقواه ركعة'' اکثر حدیثیں اور قوی ترین ایک ہی رکعت کی ہیں۔

☆☆☆

قرآن مجید کی فضیلت اور تلاوت کے آداب واحکام

عبدالرحیم محمد یونس بنارسی

قرآن اللہ کی عظیم ترین نعمت ہے، ہم سب کے لیے دنیا وآخرت میں سرخروئی کا باعث ہے، جس مہینہ میں اس کا نزول ہوا وہ مبارک مہینوں میں سے ایک ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۵) جس رات نازل ہوا وہ رات بابرکت ہے۔ (الدخان: ۳) اس رات کی عبادت ہزار مہینوں (۸۳/ سال، ۴/ مہینے) کی عبادت سے بہتر ہے۔ (القدر: ۳) قرآن مجید کی فضیلت میں اگر صرف یہی ایک آیت نازل کی گئی ہوتی تو وہ بھی اس کی عظمت اور فضیلت کے لیے کافی تھی، لیکن اس طرح کی دیگر بہت ساری آیتیں ہیں، اللہ رب العالمین فرماتا ہے: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (یونس: ۵۸) اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ بس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے، وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے، جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کے فضل ورحمت یعنی اس قرآن کے ساتھ خوش ہونا چاہیے، دنیائے فانی کی دھن، دولت پر شادماں وفرحاں ہوجانے کے بجائے اس ابدی خوشی کو پالینے سے بہت خوش ہونا چاہیے۔ ابن ابی حاتم اور طبرانی میں ہے کہ جب عراق فتح ہوگیا اور وہاں سے خراج (جزیہ) دربار فاروق رضی اللہ عنہ میں پہنچا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اونٹوں کی گنتی کرنی چاہی لیکن وہ بے شمار تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کا شکر ادا کر کے اسی آیت کی تلاوت کی، تو آپ کے خادم نے کہا: ''هذا والله من فضل الله ورحمته'' یہ بھی تو اللہ کا فضل اور رحمت ہی ہے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: كذبت ليس هذا، تم نے غلط کہا، یہ تو ہمارے حاصل کردہ (متاع) ہیں، جس فضل ورحمت کا بیان اس آیت میں ہے وہ یہ نہیں [۱] بلکہ وہ ایسی مبارک کتاب ہے جس پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے تاکہ ان کے دلوں میں فرحت وسرور کی وہ کیفیت پیدا ہو جس سے قرآن ان کی عملی زندگی میں اتر جائے۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''خيركم من تعلم القرآن و علمه'' [۲] تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو خود قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور دوسروں کو بھی دے۔ یہی نمونہ ہمارے نبی ﷺ نے پیش کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''كان خلقه القرآن'' [۳] نبی ﷺ کے اخلاق واطوار قرآن کے عین مطابق تھے۔

تلاوت قرآن کا اجر وثواب:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے'' من قرأ حرفا من كتاب الله فله

[۱] ابن کثیر (اردو) پارہ: ۱۱، ص: ۵۶۲ [۲] رواہ البخاری فی صحیحہ: ۵۰۲۷

[۳] رواہ الطبرانی وصححہ الألبانی فی صحیح الجامع: ۴۸۱۱ (صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں: ''فان خلق نبی ﷺ كان القرآن''

حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول ألٓمٓ حرف، و لكن الف حرف ولام حرف و ميم حرف''[۱] جو شخص کلام اللہ کا ایک حرف پڑھے گا رب العالمین اس کے ہر ہر حرف پر ایک نیکی عنایت کرے گا جو دس گنا بڑھ کر دس نیکیاں بن جائیں گی۔آپ ﷺ نے فرمایا: میں یہ نہیں کہتا کہ (ألٓمٓ) ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے گویا تین حرف پر تیس (۳۰) نیکیاں حاصل ہوئیں۔

تلاوت قرآن موجب شفاعت ہے:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:'' اقرءوا القرآن فأنه يأتي يوم القيامة شفيعا لأصحابه'' [۲] قرآن مجید (کثرت سے) پڑھو، کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے حق میں سفارش کرے گا۔

قرآن کی تاثیر:

تلاوت قرآن کی اثر انگیزی کا آنکھوں دیکھا حال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:''اقرأ علي''فقلت يا رسول الله، اقرأ عليك، و عليك انزل؟ قال: "نعم" فقرأت سورة النساء حتى أتيت إلى هذه الآية: ﴿فكيف إذا جئنا من كل امة بشهيد و جئنا بك على هولاء شهيدا﴾ النساء: 41، قال: "حسبك الآن" فالتفت إليه ، فاذا عيناه تذرفان'' [۳]

مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں جب کہ قرآن کا نزول آپ ہی پر ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، چنانچہ میں نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی اور اس آیت کریمہ پر:''پس کیا حال ہوگا جس وقت ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنائیں گے''، نبی نے فرمایا:''بس کرو! کافی ہے''۔میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

یہی حال نبی کے صحابہ کا تھا کہ وہ قرآن کی تلاوت کرتے اور خود متاثر ہوتے اور سامعین کو بھی متاثر کر دیتے تھے، اس کی بہترین مثال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں....''جو نہایت ہی نرم دل انسان تھے، تلاوت قرآن کے وقت بے اختیار رو پڑتے تھے''۔[۴] یہ مبارک آیات نہ صرف انسان بلکہ جمادات پر بھی نازل ہوتیں تو وہ اس کے عظیم اثرات کو قبول کیے بغیر نہ رہتے، فرمان باری ہے:﴿لو أنزلنا هذا القرآن على جبل لرأيته خاشعا متصدعا ....الخ ﴾ (الحشر:۲۱) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو آپ دیکھتے کہ خوف الٰہی کی وجہ سے وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا، ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں''۔

---

[۱] رواہ الترمذی: ۲۹۱۰ وصححہ الألبانی [۲] رواہ مسلم فی صحیحہ: ۱۸۷۴

[۳] رواہ البخاری فی صحیحہ: ۵۰۵۰ [۴] رواہ البخاری فی صحیحہ: ۳۹۰۵، حدیث: وكان أبو بكر رجلا بكاء....

تلاوت قرآن سے سکینت اور فرشتوں کا نزول:

قرآن کی تلاوت ایسا پسندیدہ عمل ہے کہ جس آدمی نے اس کی چاشنی پالی وہ اس کے بغیر بے چین ہوجائے گا اس میں وہ کشش ہے جو سننے والوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، جس کے سننے کے لیے نہ صرف انس وجن بلکہ آسمان سے فرشتے بھی اتر آتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله، یتلون کتاب الله و یتدارسونه بینهم إلا نزلت علیهم السکینة، و غشیتهم الرحمة، وحفتهم الملائکة، و ذکرهم الله فیمن عنده'' [1]

جب کچھ لوگ اللہ کے گھر (مسجد) میں جمع ہوکر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور باہم مل کر پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے (احتراما) انہیں گھیر لیتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے (فخر کے ساتھ) ایسے لوگوں کا ذکر کرتا ہے۔

اس حدیث سے قرآن مجید کی تلاوت، اس کا باہم دور کرنے (ایک دوسرے کو سنانے) اور اکٹھا ہوکر اس کے درس و تدریس کا اہتمام کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

تلاوت قرآن کا اہتمام کرنے والے کا مقام ومرتبہ:

قرآن مجید سے جن لوگوں کا قلبی تعلق ہے وہ اس کی تلاوت کے بغیر سکون نہیں پاسکتے، ایسے لوگوں کو اللہ کی قربت، درجات کی بلندی حاصل ہوتی ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''الماهر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة، والذی یقرأ القرآن و یتتعتع فیه، و هو علیه شاق له أجران'' [2] جو شخص قرآن میں ماہر ہے (قیامت کے دن) وہ معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن اٹک اٹک کے بامشقت پڑھتا ہے اس کے لیے دگنا اجر ہے۔

ماہر سے مراد: حافظ قرآن ہے جو تجوید اور عمدہ آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرے جب کہ دوسرا شخص حافظ اور اچھی تلاوت کرنے والا نہ ہو اس کے باوجود اٹک اٹک کر بامشقت بڑے ہی شوق سے تلاوت کرے تو اس پر اسے دگنا اجر ملے گا۔ ایسے لوگوں کا مقام دنیا وآخرت دونوں جگہ اعلیٰ وارفع ہوگا، اور اسی طرح ان لوگوں کا بھی جو اس سے رہنمائی حاصل کریں گے اور اسے دستور العمل بنائیں گے جبکہ اس سے اعراض اور غفلت برتنے والے لوگ ذلیل وخوار ہوں گے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''ان الله یرفع بهذا الکتاب أقواما ویضع به آخرین'' [3] اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعہ کچھ لوگوں کو بلندی عطا فرماتا ہے اور کچھ کو پستی۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

---

[1] رواہ مسلم فی صحیحہ: ۶۸۵۳ [2] رواہ البخاری (۴۹۳۷) ومسلم (۱۸۶۲) فی صحیحہما واللفظ لمسلم

[3] رواہ مسلم فی صحیحہ: ۱۸۹۷

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

رمضان المبارک اور قرآن کا تعلق:

ماہ مبارک سے قرآن کا بڑا گہرا تعلق ہے، یہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم کے نزول کی ابتداء ہوئی: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن﴾ (البقرۃ: ۱۸۵) رمضان وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سارے مہینوں میں سے رمضان کے مہینہ کی مدح وتعریف فرمارہا ہے کیونکہ اللہ نے اسے دیگر مہینوں میں سے قرآن عظیم نازل کرنے کے لیے پسند فرمایا ہے۔ [۱]

دوسری جگہ فرمایا: ﴿انا انزلناه فى ليلة القدر﴾ (القدر:۱) بے شک ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا۔ اس مہینہ کی ہر رات حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لاتے اور دونوں قرآن کی تلاوت اور دور فرماتے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''كان النبى ﷺ أجود الناس بالخير'' [۲] نبی ﷺ سخاوت وخیر خواہی میں سب سے آگے تھے، نبی ﷺ کی سخاوت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی جب جبرئیل علیہ السلام آپ سے رمضان میں ملاقات کرتے، اس وقت آپ بھلائی اور سخاوت میں تیز ہواؤں سے بھی آگے بڑھ جاتے تھے۔

علامہ سید سابق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: سخاوت وفیاضی، قرآن کا دور کرنا (باہم مل کر پڑھنا) ہمہ وقت مستحب ہے، مگر رمضان میں ان کا اہتمام کرنا بہت افضل ہے۔ [۳] اسی بنا پر علمائے کرام نے ماہ رمضان میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن ختم کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ: رمضان کا مہینہ قرآن کریم کی تلاوت اور دوسروں کو کھانا کھلانے کا ہے۔ [۴] اسی طرح روزہ اور قرآن میں بڑی مناسبت پائی جاتی ہے چنانچہ قرآن کے نزول کی ابتداء بھی رمضان میں ہوئی اور روزہ کی فرضیت بھی اسی مہینہ میں ہوئی۔ اور حدیث نبوی میں قرآن کریم اور روزے کی بروز قیامت سفارش کا تذکرہ بھی ایک ساتھ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الصيام والقرآن يشفعان للعبد يوم القيامة، يقول الصيام: أى رب منعته الطعام والشهوة، فشفعنى فيه، ويقول القرآن: منعته النوم بالليل، فشفعنى فيه، قال: فيشفعان'' [۵]

قیامت کے دن روزہ اور قرآن مومن بندے کی سفارش کریں گے، روزہ کہے گا، اے میرے پروردگار! میں نے اس کو دن بھر کھانے پینے اور شہوت رانی سے روکے رکھا، اس لیے میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا میں نے اسے رات کو سونے سے روک رکھا تھا، اس لیے میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما، چنانچہ فرمایا کہ: دونوں کی سفارش

---

۱ تفسیر القرآن العظیم: ابن کثیر ۱/۲۸۲
۲ رواہ البخاری (۱۹۰۲) ومسلم (۶۰۰۹) فی صحیحہما
۳ فقہ السنۃ: سید سابق (اردو) ۲/۱۷۴
۴ فتاوی رمضان: د/فضل الرحمٰن المدنی، ص:۱۵
۵ حسن صحیح، صحیح الترغیب للألبانی (۹۸۴)

قبول کر لی جائے گی۔

اس ماہ مبارک میں زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرنی چاہیے، اس کے درس کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ نبی ﷺ کا یہی معمول تھا۔ نمازوں کے علاوہ بھی اسے بکثرت پڑھنا چاہیے، جس قدر ہو سکے قرآنی آیات اور سورتوں کو حفظ کرنے کی کوشش کریں نیز اس کے معانی ومفاہیم کو سمجھنے کے لیے بھی وقت نکالیں تاکہ نزول قرآن کا مقصد پورا ہو سکے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر﴾ (القمر: ۱۷) بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے، یعنی اس کے مطالب ومعانی کو سمجھنا، اس سے عبرت ونصیحت حاصل کرنا اور اسے زبانی یاد کرنا ہم نے آسان کر دیا ہے۔[۱] قرآن اور اس کے فہم وحفظ کو آسان کر دینا اللہ کا احسان عظیم ہے، اس کے شکر سے انسان کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

تلاوت کے آداب

۱- اخلاص وللّٰہیت: یہ اساسی شرط تمام اعمال صالحہ کے لیے ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾ (البینۃ: ۵) انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کریں۔

۲- اس کتاب کی تلاوت پوری یکسوئی، توجہ، سکون اور وقار کے ساتھ تمام آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کرنا چاہیے، بعض لوگ تلاوت کے لیے قبلہ رو ہونے کی شرط لگاتے ہیں حالانکہ کتاب وسنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، تلاوت کے لیے طہارت (جنابت سے پاکی) تو ضروری ہے لیکن کچھ لوگ وضو کی بھی قید لگاتے ہیں، جب کہ قرآن مجید کو پڑھنے کے لیے وضو کرنے کا حکم کتاب وسنت سے ثابت نہیں، پاک آدمی (ظاہری نجاست اور جنابت سے) ہر وقت، ہر جگہ بلا تردد لے کر پڑھ سکتا ہے۔[۲] ہاں! وضو کر کے پڑھنا یہ اور بہتر ہے کہ اس نے مزید صفائی کا اہتمام کیا جو اللہ کو پسند ہے۔ ﴿والله يحب المتطهرين﴾ (التوبۃ: ۱۰۸) صرف ناپاک جگہوں میں قرآن پڑھنے سے بچنا چاہیے۔[۳]

۳- قرآن مجید کو پڑھنا اور بکثرت اس کی تلاوت کرنا مستحب ہے، ایسے لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يتلون آيات الله آناء الليل﴾ (آل عمران: ۱۱۳) جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی بکثرت تلاوت کرنے والے لوگ قابل رشک ہیں۔[۴]

۴- قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے ''تعوذ'' یعنی أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھا جائے (النحل: ۹۸) دوران تلاوت اگر کسی ضرورت سے رکنا پڑے تو دوبارہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے ''أعوذ باللہ'' پڑھ لینا بہتر ہے۔ سلف صالحین

---

[۱] احسن البیان: حافظ صلاح الدین یوسف، ص: ۱۵۰۳ [۲] تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنۃ: البانی، ص: ۱۰۷، ۱۱۶

[۳] تفصیل کے لیے دیکھیں: أحسن البیان، سورۃ الواقعۃ: ۷۹، کا حاشیہ

[۴] رواہ البخاری فی صحیحہ: ۵۰۲۶، حدیث: لاحسد إلا....

کی ایک جماعت ''أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم'' پڑھتی تھی۔ ۱

۵- سورہ توبہ کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں ''بسم الله الرحمن الرحيم'' پڑھا جائے اور اگر تلاوت بیچ سورت (جیسے: سيقول السفهاء) سے شروع کی گئی تو بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ ۲

۶- تلاوت ٹھہر ٹھہر کر آرام سے کریں اللہ کا فرمان ہے: ﴿و رتل القرآن ترتيلا﴾ (المزمل:۴) قرآن ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کرو، یعنی اس کے اصول وضوابط کا لحاظ رکھتے ہوئے، زیر، زبر پیش اور ہر حرف کی اس کے صحیح مخرج کے ساتھ ادائیگی ہو کیونکہ معمولی سی غلطی سے معنی بدل جاتا ہے جو گناہ کا باعث ہے، بہت سے لوگ قرآن بڑی ہی تیزی سے پڑھتے ہیں اور اسے ایک رات (شبینہ) میں ختم کر دیتے ہیں، جب کہ فرمان نبوی ہے: ''لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث'' ۳ جس نے قرآن مجید کو ۳ر دن سے کم میں ختم کیا اس نے قرآن کو نہیں سمجھا۔ معلوم ہوا کہ قرآن کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ زیادہ پڑھنے کا شوق رکھنے والا، ایک دن میں زیادہ سے زیادہ دس پارہ پڑھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی تلاوت کا وصف بیان فرماتی ہیں: ''قراءة رسول الله ﷺ بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله رب العالمين، الرحمن الرحيم، مالك يوم الدين، يقطع قراءته آية آية''۔ ۴

نبی ﷺ ''بسم الله الرحمن الرحيم'' کہہ کر ٹھہر جاتے تھے، پھر ''الحمد لله رب العالمين'' پھر ''الرحمن الرحيم'' پڑھ کر ٹھہرتے، پھر ''ملك يوم الدين'' گویا ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے: بسم اللہ، الرحمٰن، اور الرحیم، کو کھینچتے تھے۔ ۵ اسی ترتیل کی تعلیم صحابہ اپنے شاگردوں کو بھی دیتے۔ چنانچہ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: میں پورا مفصل (سورۃ ق سے سورۃ الناس تک) ایک ہی رکعت میں پڑھتا ہوں، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شعر کی طرح تیز تیز پڑھتے ہو، اس کے بعد فرمایا: بے شک کچھ لوگ قرآن اس طرح پڑھیں گے کہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ تلاوت وہ نفع بخش ہے جو حلق سے تجاوز کر کے دل کے دروازے پر دستک دے اور اس میں گھر کر جائے۔ ۶

قرآن مجید کو اچھی آواز میں پڑھنا چاہیے:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''ليس منا من لم يتغن بالقرآن'' ۷ وہ شخص ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں جو قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ گانوں کے انداز میں تکلف کے ساتھ پڑھا جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''أخاف عليكم ستا ....ونشواً يتخذون القرآن مزامير'' ۸ میں تمہارے بارے میں چھ چیزوں سے ڈرتا ہوں، اسی میں سے ''نوجوانوں کا قرآن کو گانے کے انداز میں پڑھنا ہے'' تو خوش الحانی کا مطلب: ''قواعد کی

۱ فتح المنان بتسہیل الاتقان، ص:۸۴-۸۵ ۲ فتح المنان بتسہیل الاتقان، ص:۸۵

۳ رواہ الترمذی فی سننہ:۲۹۴۹ وصححہ الألبانی، نیز فتح الباری: کتاب فضائل القرآن، باب فی کم یقرأ القرآن

۴ رواہ ابوداؤد فی سننہ:۴۰۰۱، وصححہ الألبانی رحمہ اللہ ۵ رواہ البخاری فی صحیحہ:۵۰۴۶

۶ رواہ مسلم فی صحیحہ:۱۹۰۸ ۷ رواہ البخاری فی صحیحہ:۷۵۲۷ ۸ رواہ الطبرانی وصححہ الألبانی فی صحیح الجامع:۲۱۶

رعایت کرتے ہوئے اچھے انداز میں پڑھنا''۔ نبی ﷺ نے فرمایا:''قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ سنوارو، اس لیے کہ خوبصورت آواز قرآن کے حسن کو بڑھا دیتی ہے۔[۱] خود نبی ﷺ کا اس کا اہتمام کرتے۔[۲] نبی ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے نبی کا خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھنا سنتا ہے''۔[۳]

تلاوت کے دوران آنکھوں کا اشک بار ہونا مستحب ہے:

کلام اللہ کے سننے سے دل میں ہلچل مچ جانا اور آنکھوں سے آنسو کے قطرات کا ٹپکنا فطری امر ہے، رب العالمین نے اپنے نیک بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:﴿و یخرون للأذقان یبکون و یزیدھم خشوعا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۹) اور (علم والے جب یہ قرآن سنتے ہیں تو) منہ کے بل روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں اور اس سے ان کے خشوع میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو اللہ نے المائدۃ:۸۳ اور مریم:۵۸ نیز مختلف مقام پر بیان کیا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تلاوت سن کر رسول اللہ ﷺ کا اشکبار ہو جانا معلوم ہے۔[۴] عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''رأیت رسول اللہ ﷺ یصلی و فی صدرہ أزیر کأزیز المرجل من البکاء''[۵] میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ہم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور آپ کے سینہ مبارک سے (رونے کی وجہ سے) آواز آرہی تھی جیسے کھولتی ہوئی ہانڈی سے پکنے کی آواز آتی ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بلا تکلف، ریا و نمود کے بغیر نماز میں خشیت الٰہی اور رقت قلب کی وجہ سے روتا ہے تو نہ تو اس سے کوئی حرج ہے اور نہ ہی نماز خراب ہوتی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن پڑھتے اور سنتے ہوئے رونا پسندیدہ ہے..[۶]

۸- آہستہ آہستہ یا دل میں قرآن پڑھنا اونچی آواز میں پڑھنے سے بہتر ہے: حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:'' الجاھر بالقرآن، کالجاھر بالصدقة، والمسر بالقرآن، کالمسر بالصدقة''[۷] اونچی آواز میں قرآن کی تلاوت کرنے والا اعلانیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا خفیہ (چھپا کر) صدقہ کرنے والے کے مانند ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آدمی خاموشی سے تلاوت کرے، ہاں! با آواز بلند تلاوت کی ضرورت اور فائدے سے انکار نہیں، بلکہ اعلانیہ صدقہ کی طرح (جو دوسروں کو صدقہ پر آمادہ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے) اس کا جواز بھی ہے۔

۹- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کان النبی ﷺ إذا مر بآیة خوف تعوذ وإذا مر بآیة رحمة سأل وإذا مر بآیة فیھا تنزیه الله سبح''[۸] رسول اللہ ﷺ (دوران تلاوت) جب خوف کی آیت سے گزرتے تو (أعوذ باللہ کہہ کر) اللہ سے پناہ طلب کرتے، جب اللہ کی رحمت کی آیت سے گزرتے تو (اسئل اللہ کہہ کر) اللہ کی رحمت کا سوال کرتے اور جب اللہ کی پاکیزگی والی آیت سے گزرتے تو سبحان اللہ کہہ کر اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے۔ مذکورہ عمل

---

[۱] صحیح الجامع الصغیر للألبانی:۳۵۸۱ [۲] رواہ البخاری:۷۶۹، ومسلم:۱۰۳۹، فی صحیحہما [۳] رواہ البخاری:۵۰۲۴، ومسلم:۱۸۴۵، فی صحیحہما
[۴] رواہ البخاری فی صحیحہ:۵۰۵۰ [۵] التعلیقات الحسان علی صحیح ابن حبان للألبانی:۷۵۰، فتح الباری لابن حجر، کتاب الاذان: باب اذ بکی الامام فی الصلاۃ
[۶] فتح الباری لابن حجر، کتاب فضائل القرآن: باب البکاء عند قراءۃ القرآن [۷] رواہ الترمذی فی سننہ:۲۹۱۹ وصححہ الألبانی
[۸] رواہ احمد وصححہ الألبانی فی صحیح الجامع:۴۷۸۲

نفل نماز کے دوران بھی ثابت ہے۔ ۱

۱۰- دوران تلاوت چھینک آنے پر ''الحمدللہ'' کہنا، چھینکنے والے کے لیے ''یرحمک اللہ'' کہنا اور سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ ۲

۱۱- قرآن کی تلاوت جب تک طبیعت لگے کیا جائے ورنہ...نہیں! حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اقرءوا القرآن ما ائتلفت قلوبكم فإذا اختلفتم فقوموا عنه'' ۳ قرآن کی تلاوت اس وقت تک کرو جب تک تمہارا دل اس میں لگا رہے، جب دل اکتا جائے تو (تلاوت) چھوڑ دو۔

۱۲-تلاوت کے دوران قرآنی آیات میں غور وخوض اور تدبر کرنا چاہیے: اللہ کا فرمان ہے: ﴿كتاب أنزلناه إليك مبارك ليدبروا.... (ص:۲۹) ''یہ بابرکت کتاب جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں'' نبی ﷺ اس پہلو پر بکثرت توجہ دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ قیام اللیل میں ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کردی، وہ آیت کریمہ یہ ہے ﴿ان تعذبهم فأنهم عبادك و ان ..... (المائدۃ:۱۱۸) ۴

اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی آیت بار بار دہرانا جائز ہے۔

۱۳-قراءت کے دوران سجدۂ تلاوت آنے پر سجدہ کرنا چاہیے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ قرآن کی تلاوت کے دوران سجدہ کی آیت آنے پر سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔ ۵ اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت کرنے اور سننے والے دونوں سجدہ کریں گے۔

[سجدۂ تلاوت کی دعا] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے: ''سجد وجهي للذي خلقه وشق سمعه وبصره بحوله و قوته فتبارك الله أحسن الخالقين'' ۔ ۶

اگر تلاوت کرنے والا سجدہ نہ کرے تو سننے والے کو بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ۷

حائضہ، نفاس والی عورتوں کے لیے تلاوت کرنے کا حکم:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شیخ ابن باز رحمہ اللہ، اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حیض ونفاس والی عورتیں (زبانی، مصحف کے بغیر) قرآن پڑھ سکتی ہیں۔ (تفسیر کا مطالعہ بھی جائز ہے) ۸ رہا جنبی تو وہ جب تک غسل نہ کرے قرآن کریم نہیں پڑھ سکتا۔ ۹،۱۰ دکتور صالح بن فوزان کی بھی یہی رائے ہے۔ ۱۱ البتہ مجبوری میں دستانہ پہن کر یا صاف کپڑے سے قرآن پکڑ سکتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ ☆☆

---

۱ رواہ مسلم فی صحیحہ: ۱۸۱۴ ۲ رواہ الترمذی فی سننہ: ۴۰۴ ۳ رواہ البخاری فی صحیحہ: ۵۰۶۰

۴ رواہ ابن ماجہ فی سننہ: ۱۳۵۰ وحسنہ الألبانی ۵ رواہ مسلم فی صحیحہ: ۱۲۹۵

۶ رواہ ابوداؤد فی سننہ: ۱۴۱۴ وصححہ الألبانی (فتبارک اللہ....حاکم: ۸۰۲ میں ہے) ۷ فضائل قرآن مجید: محمد اقبال کیلانی، ص: ۱۳۳

۸ فتاوی برائے خواتین: محمد المسند، ص: ۹۰ طبع: دارالسلام، ریاض ۹ مجموع فتاوی ابن باز رحمہ اللہ (۴/۹۱) فقہ الحدیث (۱/۲۴۱)

۱۰ الشرح الممتع علی زاد المستقنع: محمد بن صالح العثیمین (۱/۳۴۹) ۱۱ خواتین کے مخصوص مسائل: د/فوزان، مترجم د/ رضاء اللہ، ص: ۳۹

زکاۃ کے فضائل اوراحکام

از: محمد انور محمد قاسم سلفی/کویت

زکاۃ عربی زبان میں پاکیزگی کو کہتے ہیں،اوراس کا ایک معنی بڑھنا بھی ہے،اوراصطلاح شرعی میں ''زکاۃ'' مال کے اس مخصوص حصے کو کہا جاتا ہے جومخصوص لوگوں کو دیا جاتا ہے،اوراسے ''زکاۃ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ اس سے دینے والے کا تزکیۂ نفس ہوتا ہےاوراس کا مال پاکیزہ اور برکت والا ہوجاتا ہے،جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''(اے پیغمبر) آپ ان کے اموال کی زکاۃ لیجئے،تاکہ ان کو پاک کیجئے اوراس کے ذریعہ ان کے باطن کا تزکیہ کیجئے''۔(التوبۃ:۱۰۳)

طہارت ظاہری نجاستوں کو دور کرنے کو،اورتزکیہ باطنی اورروحانی گندگیوں کے ازالے کو کہتے ہیں،اگر مال میں غیر محسوس طریقے سے کوئی غلط چیز درآئی ہو،تو زکاۃ دینے سے مال،اس طرح کی تمام چیزوں سے پاک وصاف ہوجائے گا،اور یہ طہارت ہے۔اورزکاۃ دینے والے کا دل بھی حرص، ہوس،بخیلی وکنجوسی اوراس طرح کی کئی اورروحانی بیماریوں اوررذیل صفات سے پاک ہوجاتا ہےاوریہی تزکیہ ہے۔

زکاۃ دینے سے مال میں برکت اورزیادتی ہوتی ہے،جیسا کہ ارشادربانی ہے:''اورتم لوگ جوسود دیتے ہو،تاکہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہوجائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا،اورتم لوگ جوزکاۃ دیتے ہواللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے، ایسے ہی لوگ اسے کئی گنا بڑھانے والے ہیں'' (الروم:۳۹) نیز ارشاد باری ہے:''اللہ سود کوگھٹاتا ہےاورصدقات کو بڑھاتا ہے،اوراللہ کسی ناشکرے(سودخور)اورگنہگارکودوست نہیں رکھتا''۔(البقرۃ:۲۷۶)

رسول اکرم ﷺ نے قسم کھا کرتین باتیں ارشادفرمائیں کہ:

۱- کسی بندے کا مال زکاۃ دینے سے کم نہیں ہوتا۔

۲- اورجس بندے پرکوئی ظلم ہوااوروہ اس پرصبر کرتا ہےتواللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کردیتا ہے۔

۳- اورجو بندہ اپنے اوپر بھیک مانگنے کا دروا کرلیتا ہےتواللہ تعالیٰ اس پرمحتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔(ابن ماجہ: کتاب الجہاد،مسند احمد:۱۷۳۳۹)

اس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ انسان کے مال کی پاکیزگی،اس کے دل کی صفائی اوراس کی روح اوراخلاق وکردار کی پاکیزگی کا بڑاذریعہ ہے۔یادرہے کہ''زکاۃ'' کے لیےقرآن وسنت میں''صدقہ'' کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

زکاۃ کی اہمیت:

۱-زکاۃ دین اسلام کےان پانچ بنیادی ارکان میں سےایک ہےجن پردین اسلام قائم ہےجیسا کہ رسول اکرم ﷺ

کا فرمان ہے:

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ ادا کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرنا''۔ (متفق علیہ)

زکاۃ ماہ شعبان ۲ھ میں فرض ہوئی، قرآن مجید میں ۸۲ مقامات پر نماز کے ساتھ زکاۃ ادا کرنے کی تاکید آئی ہے۔

زکاۃ کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں منکرین زکاۃ کے ساتھ جہاد کیا، جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ کہا: ''کہ کیا آپ ان لوگوں سے لا إلہ إلا اللہ کے اقرار کے بعد بھی جہاد کریں گے؟ تو آپ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرتا ہے (اور یہ کہتا ہے کہ میں نماز پڑھوں گا لیکن زکاۃ نہیں دوں گا) (متفق علیہ)

نیز آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا: ''کیا میرے رہتے ہوئے دین میں کمی ہوگی؟ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ اونٹ باندھنے کی اس رسی کو بھی زکاۃ میں دینے سے روک لیں گے، جسے وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دیتے تھے، تو میں اس کے لیے بھی ان سے قتال کروں گا'' (بخاری) اور آپ نے ان سے قتال کیا یہاں تک کہ وہ پھر سے زکاۃ دینے پر آمادہ ہوئے۔

زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے وعید:

لیکن اگر کوئی شخص زکاۃ کو فریضہ تسلیم کرتے ہوئے محض اپنے دل کی تنگی اور بخل کی وجہ سے زکاۃ ادا نہیں کرتا تو ایسا شخص فاسق و فاجر ہے، اسے زکاۃ نہ دینے کا عذاب قیامت کے دن بھگتنا پڑے گا جیسا کہ ارشاد باری ہے:

ترجمہ: ''اور جو لوگ سونا چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے، جس دن اس خزانے کو آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا رکھا تھا، پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو'' (التوبۃ: ۳۵)

نیز فرمان باری ہے:

ترجمہ: ''جو لوگ مال میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے بخیلی کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں بلکہ ان کے لیے بُرا ہے، وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا، اور آسمانوں اور زمین کا وارث اللہ ہی ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ کو معلوم ہے۔ (آل عمران: ۱۸۰)

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

ترجمہ: ''اللہ نے جس کو مال سے نوازا اور پھر اس نے زکاۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے، یہ سانپ اس کے گلے کا طوق ہوگا اور اس کے جبڑے کو پکڑ کر کہے گا: میں

تیرامال ہوں، میں تیراخزانہ ہوں۔'' (البخاری)

زکاۃ کن لوگوں پرفرض ہے:

زکاۃ ادا کرنے والے میں ان پانچ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، اگران میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس پرزکاۃ فرض نہیں ہوگی۔

۱- اسلام:

انسان مسلمان ہو، غیر مسلم یا کافرشخص پرزکاۃ فرض نہیں ہے۔

۲- صاحب نصاب ہو:

یعنی اس کے پاس جو مال موجود ہو اس مخصوص نصاب (نصاب کی تشریح آگے بیان کی جارہی ہے) کو پہنچتا ہو جس پر کہ رسول اکرم ﷺ نے زکاۃ کو واجب قرار دیا، اگراس نصاب کو نہ پہنچے تو اس پرزکاۃ فرض نہیں ہے۔

۳-مکمل ملکیت:

جس مال کی وہ زکاۃ دے رہا ہو وہ اس کی ملکیت ہو، اگر وہ اس کی ملکیت نہیں تو اس پرزکاۃ بھی فرض نہیں ہے۔

۴-حولان حول:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مال کو اس کی ملکیت میں آئے ہوئے ایک سال کا عرصہ گذر چکا ہو، اگر کوئی سال مکمل ہونے سے پہلے ہی زکاۃ دینا چاہے تو اس شخص کی زکاۃ ادا ہو جائے گی، لیکن اس مال پرزکاۃ سال گذرنے کے بعد ہی فرض ہوتی ہے۔

۵-حریت:

یعنی انسان آزاد ہو غلام نہ ہو، غلام پر چاہے اس کے پاس جتنا بھی مال ہو زکاۃ فرض نہیں ہے۔ اسلام شروع سے ہی انسانی غلامی کا مخالف رہا ہے، اوراس نے غلاموں کو آزاد کرنے کی بڑی تاکید وفضیلت بیان کی ہے، لیکن بین الاقوامی حالات کی وجہ سے اسے مکمل ختم نہیں کرسکا، اس تعلق سے مختلف سلاطین اسلام نے اپنے اپنے دور میں غلامی کو ختم کرنے کے لیے کئی اصلاحی قوانین بنائے، یہاں تک کہ اقوام متحدہ کی 10-12-1946 کی قرارداد کے لیے راہ ہموار ہوئی، جس کی رو سے اس کام کو بین الاقوامی جرم قرار دیا گیا، اگرچہ کہ اب انسانوں کو غلام بنانے کا دور لد چکا ہے، لیکن افسوس کہ دنیا میں اب بھی کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں کہ زمینی خداؤں نے اپنے جیسے جیتے جاگتے انسانوں کو غلام بنا رکھا ہے۔

زکاۃ کن چیزوں میں فرض ہے؟

زکاۃ پانچ چیزوں میں فرض ہے، اورسوائے زرعی پیداوار اورخزانے کے باقی تمام چیزوں میں چالیسواں حصہ یا

2.5% ڈھائی فیصد ہے، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱- سونا:

اگر کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا، جس کا وزن 85 گرام ہوتا ہے، موجود ہو تو اس پر زکاۃ فرض ہے، چاہے یہ سونا زیورات کی شکل میں ہو یا ڈھیلے کی شکل میں ۔ یاد رہے کہ مذکورہ وزن خالص سونے کا ہے، اگر کسی کے پاس مثلا 100 گرام سونا 22 قیراط کا ہو تو اس کے خالص سونے کا وزن 91.791 ہوتا ہے تو اس کی زکاۃ تقریبا 2.300 گرام بنے گی، اور اگر کسی کے پاس مثلا 100 گرام سونا 21 قیراط کا ہو تو اس کے خالص سونے کا وزن 87.600 گرام ہوتا ہے، تو اس کی زکاۃ تقریبا 2.190 گرام بنے گی اور اگر کسی کے پاس مثلا 100 گرام سونا 18 قیراط کا ہو تو اس کے خالص سونے کا وزن 75.00 گرام ہوتا ہے، تو اس کی زکاۃ تقریبا 1.875 گرام بنے گی، اور اسی طرح باقی سونے کا حساب ہوگا۔

کئی لوگ اپنے پاس موجود سونے سے 85 گرام کو نکال کر باقی سونے کی زکاۃ دیتے ہیں، وہ اس طرح کہ اگر کسی کے پاس 200 گرام سونا ہو تو وہ 85 گرام اس میں سے نکال کر باقی 115 گرام سونے کی زکاۃ ادا کرتے ہیں، یہ غلط ہے، بلکہ ایک گرام سے لے کر جتنا سونا ہو، تمام کی زکاۃ ادا کرنا چاہئے۔ سونے کی زکاۃ سونے سے بھی دی جاسکتی ہے اگر چاہیں تو اس کی قیمت بھی بطور زکاۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

۲- چاندی:

اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی، جس کا وزن 595 گرام ہوتا ہے، موجود ہو تو اس پر زکاۃ فرض ہے، یاد رہے کہ مذکورہ وزن خالص چاندی کا ہے، اگر کسی کے پاس مخلوط چاندی ہو تو وہ اس کی خالص چاندی کا حساب کرے، اگر اس کے پاس موجود چاندی مذکورہ وزن کے برابر پہنچتی ہے تو اس پر زکاۃ فرض ہے، ورنہ نہیں۔

۳- نقدی روپیہ اور پیسہ:

علماء نے کرنسی کو بھی سونے چاندی کی طرح ہی قرار دیا ہے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ کے دور مبارک میں اور اس کے بعد بھی صدیوں تک دینار اور درہم ہی بطور کرنسی کے رواج پذیر رہے، یاد رہے کہ دینار سونے کا اور درہم چاندی کا سکہ ہوا کرتا تھا، اور رسول اکرم ﷺ نے سونے چاندی کا جو مذکورہ نصاب امت کے لیے مقرر فرمایا وہ دینار اور درہم کا ہی تھا، اسی لیے علماء کرنسی کا اعتبار بھی ضمن میں کرتے ہیں۔

اس طرح اگر کسی کے پاس 595 گرام چاندی کے برابر روپیہ یا کرنسی ہے تو اس پر زکاۃ فرض ہے، مذکورہ چاندی کی قیمت کویتی کرنسی کے مطابق تقریبا 100 دینار ہے، اگر کسی کے پاس مذکورہ کویتی کرنسی کی قیمت کے برابر اپنے ملک کی کرنسی موجود ہو تو اس پر زکاۃ فرض ہے، اگر اتنا روپیہ کسی کے پاس نہ ہو تو اس پر زکاۃ فرض نہیں۔

اسی طرح اگر کسی کے بینک اکاؤنٹ میں مذکورہ کویتی کرنسی کے برابر اپنے ملک کی کرنسی ہو تو اس پر بھی زکاۃ لاگو ہوگی،

نیز کسی نے اتنی یا اس سے زیادہ رقم فکس ڈپازٹ کررکھی ہوتو اس کی بھی زکاۃ دینی ہوگی، اسی طرح اگر کسی نے کسی کو کوئی رقم ادھار دی ہو اگر وہ رقم مذکورہ کو یتی کرنسی کی قیمت کے برابر یا زیادہ ہوتو اس کی زکاۃ بھی دینی چاہئے بشرطیکہ مذکورہ رقم ملنے کی امید ہو، اگر کسی نے وہ رقم لے لی اور ہضم کرگیا، دینے کا نام بھی نہیں لے رہا ہے تو اس طرح کی ڈوبی ہوئی رقم کے متعلق عرض ہے کہ جب ملے اس وقت ایک سال کی زکاۃ دے۔

۴-تجارتی مال:

تجارتی مال پر بھی اسی طرح زکاۃ عائد ہوتی ہے جس طرح کہ نقدی، سونے اور چاندی پر، مال تجارت جتنا موجود ہو اس کی مارکیٹ کی قیمت کے مطابق زکاۃ ادا کی جائے اس میں جو رقم قرض کی ہے وہ اس سے وضع (Less) کرلی جائے، اور جو قرض آنا ہے اس کی زکاۃ بھی ادا کی جانے والی زکاۃ کی رقم میں شامل (Add) کی جائے اور اس طرح تجارتی مال کی زکاۃ ادا کی جائے، البتہ کارخانے، یا کمپنی کی مشنری وغیرہ کی زکاۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۵-زرعی پیداوار:

زرعی پیداوار میں بھی زکاۃ ہے، لیکن شرعی اصطلاح میں اسے زکاۃ کے بجائے عُشر (یا نصف عشر) کہا جائے گا۔ زرعی پیداوار کی زکاۃ کے متعلق فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو، اور ہم نے تمہارے لیے زمین سے جن چیزوں کو نکالا ہے، ان میں سے خرچ کرو'' (البقرۃ:۲۶۷)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ زمینی پیداوار مثلاً گیہوں، جو، چاول، چنا اور ہمہ قسم کی دالیں اور روغنی بیج جیسے مونگ پھلی، سرسوں وغیرہ اور روغنی پھل جیسے زیتون وغیرہ، اور ان تمام پھلوں پر جنہیں خشک کرکے رکھا جا سکتا ہے، جیسے کھجور، سوکھا انگور (منقع) بادام، پستہ، اخروٹ وغیرہ پر بھی زکاۃ فرض ہے۔ زرعی پیداوار کے نصابِ زکاۃ کے متعلق رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

ترجمہ: ''پانچ وسق سے کم میں زکاۃ نہیں'' (متفق علیہ) پانچ وسق کی مقدار موجودہ حساب کے اعتبار سے 653 کیلو گرام ہے، اس طرح زرعی پیداوار اگر مذکورہ وزن سے کم ہو تو اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی۔ زرعی پیداوار کا کتنا حصہ زکاۃ میں دیا جائے؟ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''جس کو بارش اور چشموں کے پانی نے سیراب کیا ہو یا وہ خود بخود زمینی پانی سے سیراب ہوا ہو، اس میں دسواں حصہ ہے، اور جس کو آلات کے ذریعے یا محنت کرکے سیراب کیا گیا ہو اس میں بیسواں حصہ ہے۔'' (بخاری)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو پیداوار بارش کے پانی یا نہر کے پانی یا چشموں کے پانی سے حاصل ہوئی ہو اس کا دسواں حصہ اور جسے مشینوں کے ذریعے سیراب کرکے حاصل کیا گیا ہو اس کا بیسواں حصہ بطور زکاۃ ادا کرنا ہوگا۔ مثلاً اگر کسی کا

کھیت بارش، نہر یا چشموں سے سیراب ہوا ہو، اگر اس میں 1000 کلو کی پیداوار ہوئی ہو تو اس میں سے 100 کلو بطور عشر کے دینا چاہئے، بصورت دیگر 50 کلو بطورِ نصف عشر کے ادا کر دینا چاہئے۔

زرعی پیداوار پر سال گذرنے کی شرط عائد نہیں ہوتی، بلکہ جیسے ہی فصل کاٹی جائے اس کی زکاۃ فوراً ادا کرنی چاہئے فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کر دو''۔ (الانعام:۱۴۱)

تازہ پھلوں اور سبزیوں پر زکاۃ نہیں ہے: اِلا یہ کہ ان کی تجارت کی جائے، تجارت کی صورت میں ان کی قیمت اگر نصابِ زکاۃ کو پہنچ جائے اور وہ سال بھر آدمی کے پاس رہے تو اس کی ڈھائی فیصد زکاۃ ادا کرنی ہوگی۔

۷-مویشی:

جن جانوروں میں زکاۃ فرض ہے ان میں یہ آٹھ جانور ہیں:

۱-اونٹ ۲-اونٹنی ۳-بیل ۴-گائے ۵-بکرا ۶-بکری ۷-مینڈھا ۸-مینڈھی

کچھ علماء کرام نے بطور احتیاط بھینس اور بھینسہ کو بھی زکاۃ کے جانوروں میں شامل کیا ہے۔ پانچ اونٹ یا اونٹنیوں سے کم میں زکاۃ نہیں ہے۔ جب پانچ اونٹ ہوں تو اس میں ایک بکری، دس میں دو بکریاں، پندرہ ہوں تو تین بکریاں، بیس ہوں تو چار بکریاں اور جب اونٹوں کی تعداد پچیس کو پہنچ جائے تو اس میں پانچ بکریاں ہیں، گائے اور بیل (بھینس اور بھینسہ) کا نصاب تیس ہے، اگر تیس یا اس سے زیادہ ہوں تو اس میں گائے یا بیل بطور زکاۃ دینا پڑے گا۔ بھیڑ اور بکریوں کا نصاب چالیس ہے، اگر چالیس یا اس سے زیادہ ہوں تو اس میں ایک بکری، یہاں تک کہ یہ تعداد اسی کو پہنچے، جب اسّی ہو جائیں تو پھر دو بکریاں دوسو تک، جب دوسو یا دوسو سے زیادہ ہو جائیں تو تین بکریاں، اس کے ہر سو پر ایک بکری زیادہ کی جائے گی۔

جن جانوروں کی زکاۃ ادا نہیں کی جائے گی میدان محشر میں اللہ تعالیٰ انہی جانوروں سے زکاۃ ادا نہ کرنے والے شخص کو عذاب سے دوچار کرے گا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس شخص کے پاس اونٹ یا گائے یا بکریاں ہیں اور اس نے ان کی زکاۃ ادا نہیں کی قیامت کے دن انھیں بہت بڑا اور بہت موٹا کر کے لایا جائے گا، پھر وہ اسے اپنے ٹاپوں سے روندیں گے اور اپنے سینگوں سے ماریں گے، جب سب اس کے اوپر سے گذر جائیں گے تو پہلے کو پھر لوٹایا جائے گا، اور لوگوں کا فیصلہ ہونے تک اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا''۔ (البخاری)

۷-خزانہ:

اگر کسی کو کہیں سے کوئی دفینہ یا خزانہ مل گیا تو اس میں پانچوں حصہ (20%) بطور زکاۃ کے بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔

ایک ضروری وضاحت:

کچھ لوگوں نے یہ بات بھی مشہور کررکھی ہے کہ اگر کئی جنس مل کر ایک جنس کی زکاۃ کے برابر بن جاتے ہیں تو اس پر بھی زکاۃ فرض ہے۔ مثلا اگر کسی کے پاس 50 گرام سونا ہے، اور اس کی موجودہ قیمت 350 کویتی دینار بنتی ہے تو چونکہ 100 کویتی دینار کرنسی میں زکاۃ بنتی ہے تو اس طرح اس شخص پر زکاۃ فرض ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ بات درست نہیں ہے، اس لیے کہ ہر جنس کی زکاۃ کا الگ اور مستقل حکم ہے، اور اس جنس پر اسی وقت زکاۃ فرض ہوگی جب وہ اپنے نصاب کو پہنچ جائے، دو جنسوں کو ملا کر زکاۃ دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

کن چیزوں میں زکاۃ نہیں ہے؟

۱- رہائشی مکان: جس میں آدمی اپنے اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہائش پذیر ہو۔

۲- وہ مکانات جو انسان نے کرایہ پر چڑھانے کی نیت سے خریدے ہوں، اگر ان کرایوں سے اتنی آمدنی ہوتی ہو کہ سال بھر کے اخراجات کے بعد نصاب کے مقدار کے برابر روپیہ بچا ہوا ہے تو پھر اس آمدنی پر زکاۃ ہے۔

۳- وہ زمینی پلاٹ جسے انسان نے آئندہ کسی وقت میں گھر کی تعمیر وغیرہ کے لیے خریدا ہو، شرط یہ ہے کہ اس میں تجارتی غرض نہ ہو، اگر کسی نے تجارتی غرض سے کوئی مکان یا پلاٹ وغیرہ خریدا ہے تو اسے اس مکان یا زمین کی موجودہ قیمت کے مطابق زکاۃ دینی چاہئے۔

۴- ذاتی استعمال کی چیزیں، جیسے گاڑی، موٹر کار وغیرہ۔

۵- مشنریاں: جس سے انسان اپنا روزگار حاصل کرتا ہے۔

۶- زمین جوتنے والی مشنریاں، جیسے ہل، ٹریکٹر وغیرہ۔

۷- ہیرے جواہرات، موتی اور قیمتی پتھر، ان کی آمدنی پر زکاۃ ہے۔ بشرطیکہ وہ مقررہ نصاب کو پہنچے۔

۸- قیمتی دھاتیں: جیسے پلاٹینم وغیرہ۔ ہاں ان کی تجارت سے حاصل ہونے والی آمدنی پر زکاۃ ہے بشرطیکہ وہ مقررہ نصاب کو پہنچے۔

زکاۃ دینے کے آداب:

۱-نیت کی درستگی:

زکاۃ دینے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت درست کرلے، اپنی زکاۃ سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب گار ہو، اس کے بجائے اگر وہ دکھلاوا یا شہرت کی خواہش رکھتا ہو تو اس کی زکاۃ مقبول نہیں ہوگی، بلکہ اس پر وہ سزا وعقاب کا بھی مستحق ہوگا۔

۲-حلال مال کا انتخاب:

مسلمان جس مال کی زکاۃ دے ضروری ہے کہ وہ حلال طریقے سے کمایا ہوا ہو، ناجائز وسائل سے کمائے ہوئے مال کی

زکاۃ اللہ کے پاس قبول نہیں ہوگی، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ چوری سے کئے ہوئے صدقہ کو قبول نہیں کرتا''۔(مسلم)

۳-اچھے مال کا انتخاب:

زکاۃ دینے کے لیے انسان اپنے بہترین مال کا انتخاب کرے، گھٹیا یا ردّی دینے سے اجتناب کرے، فرمان باری ہے: ﴿تم لوگ بھلائی ہرگز نہیں پاؤ گے، جب تک کہ اللہ کی راہ میں وہ مال خرچ نہیں کروگے جسے تم محبوب رکھتے ہو﴾ (آل عمران:۹۲)

حضرت نافع کہتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب اپنے مال میں سے کوئی چیز پسند آجاتی تو وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے۔آپ کے غلام آپ کی اس عادت سے واقف تھے، اس لیے جب وہ دیکھتے کہ آپ اب مسجد میں تشریف لانے والے ہیں تو مسجد کی طرف دوڑ لگاتے اور نماز، تلاوت اور دعا وغیرہ میں مشغول ہوجاتے، جب آپ ان کو عبادت کی حالت میں دیکھتے تو انہیں آزاد کر دیتے۔ یہ دیکھ کر آپ کے احباب کہتے: اے ابوعبدالرحمٰن! اللہ کی قسم یہ لوگ آپ کو دھوکہ دینے کے لیے اس طرح کا عمل کرتے ہیں۔آپ فرماتے: جو اللہ کے بارے میں ہمیں دھوکہ دیتا ہے تو ہم اس سے دھوکہ کھاجاتے ہیں۔

۴-غریب رشتہ داروں کو مقدم رکھنا:

جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''مسکین کو زکاۃ دینا، زکاۃ ہے۔لیکن رشتہ داروں کو زکاۃ دینے سے دوہرا اجر حاصل ہوتا ہے، زکاۃ دینے کا اجر اور صلہ رحمی کرنے کا بھی۔(احمد، ترمذی، نسائی، صححہ الألبانی)

۵-زکاۃ، صدقات اور خیرات کو چھپا کر دینا:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اگر تم صدقات اور خیرات ظاہر کرتے ہو تو اچھی ہی بات ہے، اگر محتاجوں کو دیتے وقت اسے چھپاتے ہو، تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے﴾ (البقرۃ:۲۷۱)

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''وہ سات شخص جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا، ان میں سے وہ شخص بھی ہے، جس نے اس طرح چھپا کر صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلا کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے''۔(متفق علیہ)

۶-رحمت وشفقت کا برتاؤ:

زکاۃ دیتے ہوئے غرباء ومساکین کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا سلوک کرے، اپنی زکاۃ یا صدقات کو احسان جتلا کر اور لوگوں کو تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرے۔جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ اذیت پہنچاتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ثابت ہے، اور ان پر نہ کوئی

خوف طاری ہوگا اور نہ انہیں کوئی غم لاحق ہوگا، اچھی بات اور درگذر کردینا، اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد اذیت پہنچائی جائے﴾ (البقرۃ:۲۶۳-۲۶۲)

زکاۃ کن کو دینی چاہئے؟

اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کے آٹھ مصارف سورہ توبہ میں ذکر فرمایا ہے، ضروری ہے کہ زکاۃ کو انہی مصارف میں خرچ کیا جائے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿بے شک اموال صدقہ، فقیروں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور انہیں اکٹھا کرنے والوں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے ہیں جن کا دل جیتنا مقصود ہو، اور غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرانے کے لیے، اور قرض داروں کا قرض چکانے کے لیے، اور اللہ راہ میں خرچ کرنے کے لیے، اور مسافر کے لیے ہیں، یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے﴾ (التوبۃ:۶۰)

۱- فقراء سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو اپنی حاجات کے لیے سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔

۲- مساکین وہ ہیں جو کماتے ہیں لیکن اس سے ان کا گذارہ نہیں ہوتا اور وہ لوگوں سے نہیں مانگتے، صاحب زکاۃ کو اس طبقہ پر خصوصی توجہ مبذول کرنا چاہئے، اس لیے کہ فقیر کسی نہ کسی در سے اپنی حاجت پوری کر ہی لیتا ہے۔

۳- عاملین زکاۃ: وہ لوگ جو زکاۃ اکٹھی کرتے اور اسے مستحقین تک پہنچاتے ہیں، ان کی تنخواہیں اس مد سے جاری کی جائیں گی۔

۴- تالیف قلب کے لیے: اگر کوئی غیر مسلم مسلمان ہو چکا ہے، یا مسلمان ہونا چاہتا ہے، تو اس کے دل کو اسلام پر ثابت رکھنے، یا مائل کرنے کے لیے زکاۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

۵- غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرانے کے لیے: اب تو غلامی کا دور لد چکا ہے، اس لیے بعض علماء نے اس مد کو ان لوگوں کو قید سے رہائی دلانے کے لیے خرچ کرنے کی اجازت دی ہے جنہیں بغیر کسی جرم کے قید میں بند کردیا گیا ہو۔

۶- مقروض کا قرض ادا کرنے میں بھی زکاۃ کی رقم لگانی چاہئے۔

۷- فی سبیل اللہ: سے مراد اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ اس سے بعض علماء نے ہر کار خیر کو مراد لیا ہے، لیکن یاد رہے کہ زکاۃ کی رقم مسجد میں نہیں لگائی جاسکتی ہے۔

۸- ابن السبیل سے مراد مسافر ہے، اس لیے کہ بسا اوقات کھاتا پیتا شخص بھی حالت سفر میں چوری، یا ڈاکہ زنی یا اور کسی بھی سبب سے محتاج ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ انسان خاندان میں اپنے بھائیوں یا بہنوں اور دیگر رشتہ داروں کو اگر وہ مستحق زکاۃ ہیں اور اپنے گھروں میں الگ رہتے ہیں تو زکاۃ دے سکتا ہے، اس سے اسے دُگنا اجر وثواب ملے گا، ایک تو زکاۃ دینے کا، اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

زکاۃ کن کو نہیں دینی چاہئے؟

زکاۃ کی رقم مندرجہ ذیل لوگوں کو دینی جائز نہیں ہے:

۱- کافر شخص کو ۲- فاسق وفاجر کو، جس کے متعلق خدشہ ہے کہ وہ اس زکاۃ کی رقم کو اپنے فسق وفجور پر لگائے گا۔

۳- والدین کو: اس لیے کہ بیٹے کی کمائی کے سب سے زیادہ حق دار والدین ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک بیٹے سے فرمایا: ''تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے''۔

۴- بیوی بچوں کو: اس لیے کہ اگر انسان اپنی زکاۃ خود اپنی بیوی بچوں پر خرچ کرے تو پھر اس سے کسی دوسرے کا کیا فائدہ ہوگا؟ ہاں اگر بیوی مالدار ہو اور شوہر مفلس ہو تو بیوی اپنے شوہر کو زکاۃ دے سکتی ہے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کی بیوی سیدہ زینب الثقفیہ رضی اللہ عنہما نے رسول اکرم ﷺ سے مسئلہ پوچھنے کے بعد اپنے شوہر کو زکاۃ دی تھی۔

سیدہ زینب الثقفیہ رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ انہوں نے اپنے شوہر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں جا کر یہ مسئلہ پوچھیں کہ کیا میں اپنی زکاۃ کی رقم آپ پر اور میری زیر نگرانی پرورش پانے والے یتیموں پر خرچ کر سکتی ہوں؟ انہوں نے کہا: تم خود ہی جا کر پوچھ آنا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں تو آپ کے دروازے پر ایک انصاری صحابیہ بھی پہلے سے موجود تھیں، ان کا مسئلہ بھی وہی تھا جو میرا تھا۔ جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گذرے تو ہم نے ان سے گذارش کی کہ وہ ہمارے اس مسئلہ کو رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں، لیکن ہمارا نام نہ بتائیں۔ وہ آپ کے کمرے میں داخل ہوئے اور مذکورہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ وہ دو عورتیں کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ زینب ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا کونسی زینب؟ جواب دیا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیوی، فرمایا: ''ان سے کہو کہ وہ اپنے شوہر اور اپنے ایتام پر زکاۃ کی رقم خرچ کر سکتی ہیں اور ان کے لیے دُگنا ثواب ہوگا، قرابت داری کا اور زکاۃ دینے کا''۔ (بخاری: ۱۴۶۶، مسلم: ۱۰۰۰)

۵- آل بنو ہاشم کو: رسول اکرم ﷺ نے اپنے خاندان کے لوگوں پر زکاۃ کو حرام قرار دیا، بنو ہاشم سے اولاد سیدنا عباس بن عبدالمطلب، اولاد سیدنا علی بن ابی طالب، اولاد سیدنا جعفر بن ابی طالب، اولاد سیدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اور تمام خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں۔

ایک مرتبہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے زکاۃ کے کھجوروں میں سے ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی، آپ ﷺ نے انہیں (ڈانٹتے ہوئے) فرمایا: ''تھوک دو تھوک دو، اسے پھینک دو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم زکاۃ کا مال نہیں کھاتے۔ (متفق علیہ)

لیکن افسوس کہ بعض علاقوں میں دیکھا گیا کہ لوگ اپنے سید ہونے کی دہائی دے کر لوگوں سے زکاۃ مانگتے ہیں۔

۶- ہٹا کٹا شخص: جو محنت مزدوری کرنے کے بجائے گداگری کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہے۔

زکاۃ الفطراوراس کی مقدار:

زکاۃ الفطربھی زکاۃ ہی کی ایک قسم ہے جو ماہ شوال کا چاند دیکھنے کے بعد سے نماز عید کو نکلنے سے پہلے پہلے تک ادا کر دینا چاہئے، اور یہ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جس کے پاس ایک دن اور رات کے کھانے کا بندوبست ہو، اس کا مقصد ایک تو روزوں میں واقع ہونے والی کمی کو پورا کرنا اور دوسرا فقراء ومساکین کو عید کی خوشیوں میں شریک کرنا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر مسلمان پر صدقۂ فطر فرض قرار دیا خواہ کوئی آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا۔ (متفق علیہ)

صدقۃ الفطر ایک ''صاع'' یعنی سوا دو کلو اناج یعنی گندم، چاول، کھجور وغیرہ سے ادا کرنا چاہئے، بہتر یہی ہے کہ جنس ادا کی جائے، اور زکاۃ الفطر نماز عید سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے، یہ فقراء ومساکین کا حق ہے، اگر اس کے بعد ادا کیا جائے تو خیرات ہے۔

زکاۃ کے فوائد:

۱- زکاۃ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن، اور اس کی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ہے۔

۲- مال کو پاک کرنے کا ذریعہ ہے۔

۳- فقراء اور محتاجوں سے ہمدردی اور ناداروں کی ضرورتوں کو پوری کرنے کا ایک بہانہ ہے۔

۴- مال میں برکت اور اس کے بڑھنے کا سبب ہے، اور اس کی خیر اور برکتوں سے سب سے پہلے فائدہ اٹھانے والا خود زکاۃ ادا کرنے والا ہے۔

۵- مال اللہ تعالیٰ کا ہے، اور بندہ صرف مال کے حقیقی رب اور مالک کے حکم کے مطابق اسے خرچ کرنے والا ہے، اور زکاۃ کا ادا کرنا گویا مال کی نعمت کا شکر ادا کرنا ہے۔

۶- اس سے معاشرے کے تمام طبقوں کے ساتھ انسان کا تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

۷- غربت اور فقیری کو دور کرنے میں مدد کرنا ہے، جس سے ایک دنیا پریشان ہے۔

۸- دلوں میں حسد وبغض کی جگہ ہمدردی اور رحم دلی پیدا کرنے کا سبب ہے۔

۹- اس سے دل کی کدورتیں اور انتقامی جذبہ دور ہوتا ہے اور محبت حاصل ہوتی ہے۔

۱۰- دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہر اس شخص کے لیے ہے جو اپنے نفس کا (بخیلی اور حرص جیسے کمینہ اوصاف سے) تزکیہ کرتا ہے، اور اسے عبادت اور تقویٰ سے مزین رکھتا ہے۔

☆☆☆

مشروعیت زکاۃ کی حکمت اوراس کی ادائیگی کے فوائد

عبدالاحد احسن جمیل
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کسی کو مال ومنال کی فراوانی عطا کی تو کسی کو اپنے عدل کی بنا پر مالی تنگی بھی دے دی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿والله فضل بعضكم على بعض فى الرزق﴾ (النحل:۷۱) اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔ مگر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان کو ہرگز پسند نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پاکر اتراتا اور اکڑتا ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿ان الله لا يحب كل مختال فخور﴾ (لقمان:۱۸) یا جسے اللہ تعالیٰ نے بطور آزمائش مالی تنگی دی وہ ہر انسان کے آگے ہاتھ پھیلاتا اور آہ وفغاں کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جسے مال سے نوازا ہے اس پر ایک حق عائد کیا ہے جسے ہم زکاۃ کہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿والذين فى أموالهم حق معلوم للسائل والمحروم﴾ (المعارج:۲۵) اور وہ لوگ جن کے مالوں میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر وہ زکاۃ دیتا ہے تو وہ احسان کرتا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو اللہ کا حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کیا ہے۔

لغت میں زکاۃ:

زیادتی واضافہ، نیز پاکی اور برکت کو کہتے ہیں۔(۱)

اصطلاح میں:

زکاۃ اللہ رب العالمین کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے مال سے مخصوص حصہ کو مخصوص لوگوں کو مخصوص وقت اور مخصوص طریقہ سے ادا کرنے کو کہتے ہیں۔(الشرح الممتع از شیخ ابن عثیمین :۶/۱۳)

جن اموال میں زکاۃ واجب ہے وہ پانچ قسم کے ہیں۔ سونا، چاندی، تجارت کی جانے والی چیزیں، چوپائے اور زمین سے نکلنے والی چیزیں۔(الشرح الممتع از شیخ ابن عثیمین :۶/۱۳، الفقہ الاسلامی وأدلتہ از وھبۃ زحیلی :۳/۱۸۲) ان میں سے ہر قسم کے مال کی زکاۃ کے الگ الگ احکام ہیں، جن کی تفصیل اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں ہے۔

(۱) النهاية فى غريب الحديث، لابن الأثير، باب الراى مع الكاف، مادة: زكاة (۲/۳۰۷)، و لسان العرب، لابن منظور، باب الواووالياء من المعتل، فضل الزاى، مادة: زكا، (۱٤/۳٥۸)، والقاموس المحيط، باب الواو والياء، مادة: زكا، ص:۱٦٦۷، والتعريفات، للجرجانى، ص: ۱٥۲۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی کوئی بھی تعلیم یا حکم حکمت سے خالی نہیں چاہے ہماری ناقص عقل اس حکمت کا ادراک کر سکے یا نہ کر سکے، پس یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اگر اسلام نے ہمیں اپنے مال کی زکاۃ نکالنے کا حکم دیا ہے تو اس میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور مخفی ہوگی۔ چنانچہ اسی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿خذ من أموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها﴾ (التوبۃ:۱۰۳) نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ لوگوں کے مالوں سے زکاۃ وصول کیجئے جو ان کے مالوں کو اور دلوں کو پاک کرنے والی ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نفس کے پاکی کو کامیابی کا باعث بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿قد أفلح من تزكى﴾ (الاعلی:۱۴) جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا، ایک دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿قد أفلح من زكاها﴾ (الشّمس:۹) اور جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا۔ ایک دوسری جگہ اسی زکاۃ کی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رب العالمین کا ارشاد ہے: ﴿إن الإنسان خلق هلوعا۔ إذا مسه الشر جزوعا۔ و إذا مسه الخير منوعا۔ إلا المصلين۔ الذين هم على صلاتهم دائمون۔ والذين فى أموالهم حق معلوم۔ للسائل والمحروم﴾ (المعارج:۱۹-۲۵)

بے شک انسان بڑے کچے دل والا پیدا کیا گیا ہے۔ جب اسے مصیبت پہنچتی ہے ہڑ بڑا اٹھتا ہے، اور جب راحت پہنچتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والا ہے، اور وہ لوگ جن کے مالوں میں مقرر حصہ ہے مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی۔ چنانچہ اللہ رب العالمین نے اس آیت کے اندر زکاۃ دینے والوں سے بخل کی نفی کر دی ہے، یعنی جو لوگ اپنے مالوں سے زکاۃ نکالتے ہیں وہ بخیل نہیں ہو سکتے، اور اس بات کی شہادت دی ہے کہ وہ مضبوط دل اور ایمان والے ہیں جو مصیبت کے وقت نہ گھبراتے ہیں اور نہ تذبذب کا شکار ہوتے ہیں اور نہ ہی راحت کے وقت بخل کرتے ہیں، بلکہ آگے چل کر تو رب العالمین نے انہی سارے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿أولئك فى جنات مكرمون﴾ (المعارج:۳۵) کہ یہی لوگ تو جنتوں میں عزت والے ہوں گے۔

اسی طرح احادیث میں زکاۃ کی ادائیگی کے فوائد اور اس کے اجر وثواب کو بیان کیا گیا ہے نیز اس فریضہ میں جو لوگ کوتاہی کرتے ہیں ان کے لیے وعید بھی، فرمان نبوی ہے: ''كل امرئ فى ظل صدقته حتى يفصل بين الناس أو قال يحكم بين الناس'' (مسند احمد:۴/ ۱۴۷، صحیح ابن خزیمہ:۲۴۳۱، صحیح ابن حبان:۳۳۱۰، ومستدرک الحاکم:۱/ ۴۱۶، امام حاکم نے مستدرک میں اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے)

ہر انسان اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یہ حدیث صاف صاف اس بات پر دال ہے کہ زکاۃ دینے والا شخص قیامت کی گرمی سے محفوظ ہوگا۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ما منع قوم زكاة أموالهم إلا منعوا القطر من السماء'' (دیکھیں: سنن ابن ماجہ:۴۰۱۹، مستدرک حاکم:۲/ ۱۲۶، اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا، اور ذہبی نے ان کی

موافقت کی ہے اور امام البانی نے بھی سنن ابن ماجہ پر تعلیق لگاتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے) کسی قوم نے بھی اپنے مال کی زکاۃ نکالنے سے انکار نہیں کیا ہے مگر اس پر بارش روک دی جاتی ہے۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے زکاۃ ادا کرنے کا فائدہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''الصدقة تطفئ الخطيئة كما يطفئ الماء النار'' (دیکھیں: سنن الترمذی: ۲۶۱۶، مسند احمد: ۵/ ۲۳۱، ۲۳۷، اور امام حاکم نے مستدرک: ۴/ ۴۶۸، میں اس حدیث کے بارے میں کہا کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے، اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، اور امام البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح الجامع الصغیر میں صحیح قرار دیا ہے)۔

زکاۃ کی مشروعیت کی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ولفظ الزكاة فى اللغة يدل على النمو، والزرع يقال فيه: زكا، إذا نما، ولا ينمو إلا إذا خلص من الدغل. فلهذا كانت هذه اللفظة فى الشريعة تدل على الطهارة: ﴿قد أفلح من زكاها﴾ و ﴿قد أفلح من تزكى﴾ نفس المتصدق تزكو، وماله يزكو، يطهر ويزيد فى المعنى. وقد أفهم الشرع أنها شرعت للمواساة. (مجموع فتاوی: ۲۵/ ۸)

اور زکاۃ کا لفظ لغت میں زیادتی پر دلالت کرتا ہے، اور کھیتی جب بڑھتی ہے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے ''زکا''، اور کھیتی نہیں بڑھتی ہے مگر جب گندگی سے پاک وصاف ہو، اسی لیے زکاۃ کا لفظ شریعت میں پاکی پر دلالت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قد أفلح من زكاها﴾ وہ آدمی کامیاب رہا جس نے اپنے نفس کی صفائی کی۔ تو زکاۃ دینے والے کا نفس پاک و صاف ہوجاتا ہے اور اس کے مال میں معنوی طور پر پاکی وصفائی نیز زیادتی ہوتی ہے۔ اور شارع نے یہ واضح کردیا کہ اس کی حکمت ضرورت مندوں کے ساتھ ہمدردی وغم گساری ہے۔

اور مشروعیت زکاۃ کی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هدية (ﷺ) فى الزكاة أكمل هدى فى وقتها وقدرها ونصابها، ومن تجب عليه ومصرفها، وقد راعى فيها مصلحة أرباب الأموال و مصلحة المساكين وجعلها سبحانه وتعالىٰ طهرة للمال ولصاحبه، وقيد النعمة بها على الأغنياء، فمازالت النعمة بالمال على من أدى زكاته بل يحفظه عليه وينميه له و يدفع عنه بها الآفات ويجعلها سورا عليه وحصنا له وحارسا له۔ (زادالمعاد: ۲/ ۵)

زکاۃ کی بابت نبی ﷺ کی سنت اور حکم زکاۃ کے وقت، اس کی مقدار ونصاب نیز صاحب نصاب اور مستحقین کے سلسلہ میں سب سے بہترین سنت اور حکم ہے، نبی ﷺ نے اس میں ایک طرف اصحاب اموال اور مساکین کی مصلحتوں کی رعایت کی ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اسے مال اور صاحب مال کی طہارت وصفائی کا ذریعہ بنایا ہے، اور مال کی نعمت کو مال داروں کے لیے ادائیگی زکاۃ کے ساتھ مقید کردیا ہے، چنانچہ زکاۃ ادا کرنے والے کو مال کی نعمت برابر حاصل رہتی ہے، بلکہ

اللہ تعالیٰ اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے،اس میں زیادتی کرتا ہے،اس سے آفت و پریشانی کو دور کرتا ہے اور زکاۃ کو اس کے لئے محافظ اور پہرے دار بنا دیتا ہے۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:'' أن البذل والكرم من أسباب انشراح الصدر، لكن لا يستفيد منه إلا الذى يعطى بسخاء وطيب نفس، ويخرج المال من قلبه قبل أن يخرج من يده، أما من أخرج المال من يده، لكنه فى قرارة قلبه، فلن ينتفع بهذا البذل ''(زادالمعاد:۲/۲۵) کہ جود وکرم انشراح صدر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے،لیکن یہ سبب صرف اسی کو حاصل ہوسکتا ہے جو سخاوت نفس اور نیک نیتی کے ساتھ خرچ کرے،اور مال اس کے ہاتھ سے نکلنے سے پہلے اس کے دل سے نکل جائے،لیکن ہاتھ سے مال نکلنے کے باوجود جس شخص کے دل میں مال باقی رہے تو ایسے شخص کو مال خرچ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اور امام ابن عثیمین رحمہ اللہ نے زکاۃ کے سترہ (۱۷) فوائد اور اس کی حکمت گنائی ہیں،اسی ضمن میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:''أنها تزكي المال، يعني تنمي المال حسا ومعنا، فإذا تصدق الانسان من ماله فان ذلك يقيه من الآفات، وربما يفتح الله له زيادة رزق بسبب هذه الصدقة، ولهذا جاء فى الحديث: ما نقصت صدقة من مال۔ (دیکھیں: صحیح مسلم:۲۵۸۸)،وهذا شئ مشاهد أن الانسان البخيل ربما يسلط على ماله ما يقضى عليه أو على أكثره باحتراق، أوخسائر كثيرة، أو أمراض تلجئه إلى العلاجات التى تستنزف منه أموالا كثيرة۔ (الشرح الممتع:٦/ ١٠)

یہ صدقہ مال میں زیادتی کرتا ہے یعنی حسی اور معنوی طور پر مال میں اضافہ کا سبب بنتا ہے،چنانچہ جب انسان اپنے مال میں سے صدقہ کرتا ہے تو یہ صدقہ اسے بہت ساری آفتوں اور پریشانیوں سے بچاتا ہے،اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس صدقہ کو زیادتی رزق کا ذریعہ بنا دیتا ہے،اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔اور یہ بات مشاہدہ میں ہے کہ انسان جب بخیلی کرتا ہے تو اس کے اوپر ایسی پریشانی آتی ہے کہ اس کا سارا مال یا اس سے زیادہ بھی خرچ ہوجاتا ہے یا وہ ایسی کسی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ اس کا بہت سارا مال علاج معالجہ میں صرف ہوجاتا ہے۔

اور دوسری جگہ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الخامسة: أنها تلحق الانسان بالمؤمن الكامل: لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه۔ (دیکھیں: صحیح بخاری:۱۳،صحیح مسلم:۴۵)فكما أنك تحب أن يبذل لك المال الذى تسدبه حاجتك، فأنت تحب أن تعطيه أخاك، فتكون بذلك كامل الايمان۔

السادسة: أنها من أسباب دخول الجنة، فان الجنة لمن طاب الكلام، و أفشى السلام، أطعم الطعام وصلى بالليل والناس نيام، وكلنا يسعى إلى دخول الجنة۔ (الشرح الممتع:٦/٨)

زکاۃ کے ذریعہ انسان مومن کامل کے زمرے میں داخل ہوجاتا ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:تم میں سے کوئی

شخص مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند کرے جسے اپنے لیے پسند کرتا ہے، تو جیسے انسان اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اسے اتنا مال ملے جس سے اس کی حاجت پوری ہو، اسی طرح اس بات کو بھی پسند کرنا چاہئے کہ اپنے بھائی کو بھی اتنا مال دے کہ جس سے اس کی حاجت پوری ہو، تو اس طرح انسان کامل ایمان والا ہوجائے گا۔

زکاۃ دخول جنت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، اس لیے کہ جنت ان لوگوں کے لیے ہے جو نرمی سے اچھی باتیں کرتے ہیں، اور سلام کو عام کرتے ہیں، اور رات کو اس وقت میں نماز پڑھتے ہیں جب لوگ سو رہے ہوں، اور ہم سب جنت میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں، شیخ رحمہ اللہ اپنے اس قول سے اس حدیث کی طرف اشارہ کررہے ہیں جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''یا ایھاالناس أفشوالسلام، أطعموالطعام، وصلوا باليل والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام۔'' (دیکھیں: سنن الترمذی: ۲۴۸۵، سنن ابن ماجہ: ۳۲۵۱، امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے) اے لوگو! سلام کو عام کرو، اور بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، اور رات میں اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔

دکتور وهبة زحيلی نے اپنی مشہور کتاب الفقه الإسلامی و أدلة میں زکاۃ کی فرضیت کی حکمت ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: زکاۃ انسانی زندگی میں امیری اور غریبی کا جو تفاوت ہے اسے دور کرنے کا سب سے بڑا طریقہ اور اکلوتا راستہ ہے، چنانچہ کہتے ہیں: وفريضة الزكاة أولى الوسائل لعلاج تلك التفاوت، و تحقيق التكافكل أوالضمان الاجتماعی فی الاسلامی۔ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۳/۱۵۴)

زکاۃ مال کی حفاظت کا ذریعہ ہے چنانچہ دکتور وهبة الزحيلی اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فهی تصون المال وتحصنه من تطلع الأعين وامتداد أيدی الآثمين والمجرمين۔ (ایضا) زکاۃ مال کو بری نظروں سے اور گنہگاروں ومجرمین کے دست درازی سے بچاتی اور اس کے لیے ایک مضبوط قلعہ بن جاتی ہے۔

زکاۃ کے ذریعہ کمزور اور غریب مسلمانوں کی مدد اور اعانت ہوتی ہے، دکتور وهبة زحيلی اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وهی ثانيا: عون للفقراء والمحتاجين'' کہ زکاۃ کے ذریعہ فقراء ومحتاجین کی مدد اور معاونت ہوتی ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں: ''والمصلحة فی أداء الزكاة تعود فی النتيجة على أرباب الأموال، لأنهم بأدائها يسهمون فی تنمية و دعم القوة الشرائية للفقراء، فتنموا بالتالی أموال المزكين، و يربحون بكثرة المبادلات'' (ایضا)، کہ زکاۃ کے ادا کرنے کی مصلحت یہ کہ اس کا فائدہ خود صاحب مال کو ہوتا ہے وہ اس طرح کہ وہ لوگ فقیروں میں اشیاء کی خرید وفروخت کی قوت میں اضافہ کے سبب بنتے ہیں، اس کے نتیجہ میں تجارت کو فروغ حاصل ہونے کی وجہ سے زکاۃ دینے والے کے مال میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔

زکاۃ کے ذریعہ انسان بخل، شح اور لالچ جیسی بُری عادتوں سے چھٹکارہ پالیتا ہے، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أنها تزكي أخلاق المزكى، وتنتشله من زمرة البخلاء، وتدخله فى زمرة الكرماء۔ (الشرح الممتع: ٦ / ٧) زکاۃ، زکاۃ دینے والے کے اخلاق کو پاک کرتی ہے، اوراس کو بخیلوں کے زمرے سے نکال کر کریم اور سخی لوگوں کے زمرے میں داخل کردیتی ہے۔اوردکتور وهبة زحیلی فرماتے ہیں:''تطهر النفس من داء الشح والبخل، وتعود المؤ من على البذل والسخاء۔ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ:۳/۱۵۵)، زکاۃ انسانی نفس کو بخل اور کنجوسی ولالچ جیسی بُری بیماریوں سے پاک کرکے مومن کو جودوسخا کا عادی بناتی ہے۔

زکاۃ نکالنا، زکاۃ نکالنے والے کے پکے ایمان اوراپنے رب پر یقین کامل ہونے کی دلیل ہے، امام ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''أنها دليل على صدق ايمان المزكى، وذلك أن المال محبوب للنفوس، والمحبوب لا يبذل الا ابتغاء محبوب مثله أو أكثر، بل ابتغاء محبوب أكثر منه، و لهذا سميت صدقة؛ لانها تدل على صدق طلب صاحبها لرضا الله عز وجل۔'' (الشرح الممتع:٦/٧) کہ زکاۃ نکالنا، زکاۃ نکالنے والے کے ایمانی صداقت کی دلیل ہے، اس لیے کہ مال نفس کو محبوب ہوتا ہے اورمحبوب چیز صرف اسی جیسی بلکہ اس سے گراں قدر چیز میں ہی دی یا خرچ کی جاسکتی ہے، اسی لیے زکاۃ کو صدقہ کہتے ہیں کیوں کہ وہ اس بات کی دلیل ہے کہ زکاۃ دینے والا اپنے رب کی رضا طلب کرنے میں صادق ہے۔

زکاۃ مال میں رب العالمین کا حق ہے اللہ رب العالمین کا اپنے بندے سے محبت کی علامت ہے اوراس کا نکالنا رب العالمین کے اس نعمت کا شکرادا کرنا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:من يردالله به خيرا يصب منه۔ (دیکھیں: صحیح بخاری:۵٦۴۵)، جس شخص سے اللہ تعالیٰ خیر چاہتا ہے اس کو آزماتا ہے، اوردکتور وهبة زحیلی فرماتے ہیں:وهى وجبت شكرا لنعمة المال، حتى انها تضاف إليه، فيقال: زكاة المال، ولإضافة للسببية كصلاة الظهر، و صوم الشهر، وحج البيت۔ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ:۳/۱۵۵) زکاۃ مال کی نعمت پر اللہ رب العالمین کا شکرادا کرنے کے لیے واجب کی گئی ہے، اس لیے زکاۃ کو اسی کی طرف منسوب کرکے مال کی زکاۃ کہا جاتا ہے، اوراضافت سببی ہے جیسے ظہر کی نماز، روزہ کا مہینہ اور بیت اللہ کا حج ہے۔

ان کے علاوہ بھی علماء نے زکاۃ کی فرضیت کی بہت ساری حکمتیں اورفوائد کوذکر کیا ہے جن کا استقصاء چند صفحات میں ممکن نہیں۔

☆☆☆

وسطیت کی طرف دعوت اور منہج اعتدال
دلالات نصوص اور اقوال علماء کی روشنی میں

راشد حسن فضل حق مبارکپوری
استاذ جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی

کسی بھی شرعی مسئلہ کے مفہوم کی صحیح تعیین کے لیے کتاب وسنت کے نصوص پر نگاہ ڈالنا ہمارا دینی فریضہ ہے، وہ ایک ایسی بنیاد ہے جہاں سے تمام احکام ومسائل معلوم کئے جاتے ہیں، اس پس منظر میں وسطیت کے معانی اور اس کے مختلف استعمالات پر ایک استقرائی نگاہ ڈالنا مناسب ہے، نصوص میں 'وسطیت' کا استعمال کبھی صراحتا آتا ہے اور کہیں اشارۃً وتلمیحا، علمی منہج اور ٹھوس انداز فکر کا تقاضا ہے کہ اس مفہوم سے متعلقہ مقامات کا مقاصد قرآن کی روشنی میں تتبع کیا جائے۔

☆ وسطیت نصوص شرعیہ کی روشنی میں:

نصوص شرعیہ میں 'وسطیت' کے استعمال کا میدان کافی کشادہ ہے، ظاہر ہے شارع حکیم نے ان کا تذکرہ خاص مقاصد کے تحت کیا ہے، لہذا پہلے ان مقامات پر گفتگو کی جاتی ہے جن میں وسطیت کا تصریحی وتلمیحی ذکر آیا ہے۔

☆ وسطیت نصوص قرآنیہ کی روشنی میں:

قرآن کریم میں اس کلمہ 'وسطیت' کا تصریحی استعمال پانچ مقامات پر آیا ہے، ذیل میں سلسلہ وار تذکرہ کیا جارہا ہے:

۱- "وكذلك جعلناكم أمة وسطا" (البقرۃ:۱۴۳)

ترجمہ: ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے۔

'وسط' کے لغوی معنی تو درمیان کے ہیں، لیکن یہ بہتر اور افضل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں اسی معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے یعنی جس طرح تمہیں سب سے بہتر قبلہ عطا کیا گیا اسی طرح تمہیں سب سے افضل امت بھی بنایا گیا ہے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ تم لوگوں پر گواہی دو۔ (تفسیر جوناگڑھی)

اس آیت کی تفسیر صحیح بخاری میں اس طرح وارد ہے:

قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا وہ یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے: اے اللہ میں حاضر ہوں، تو اللہ تعالی کہے گا کیا تم نے اپنے رب کا پیغام اپنی امت تک پہنچادیا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے: جی ہاں، تو ان کی امت سے سوال کیا جائے گا کہ کیا انہوں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچادیا ہے تو ان کی امت جواب دے گی ہمارے پاس کوئی

ڈرانے والا نہیں آیا تھا، تو اللہ کہے گا: اے نوح تمہارا گواہ کون ہے، تو نوح جواب دیں گے: حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت، پھر امت محمدیہ کے لوگ گواہی دیں گے کہ حضرت نوح نے تبلیغ دین کا کام مکمل کر دیا ہے: "ویکون الرسول علیکم شهیدا" (البقرۃ:۱۴۳) اور رسول تم پر گواہ ہوں گے (پھر نبی آخر الزماں اس کی تصدیق کریں گے)۔

راوی کا بیان ہے کہ اللہ تعالی کے اس قول کا معنی یہی ہے وکذلك جعلناكم أمة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا۔ (البقرۃ:۱۴۳) اور وسط کا معنی عدل ہے۔

اس کے علاوہ اس کے اور بھی معانی ہیں، امام طبری اس آیت کی مزید تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میرا خیال ہے یہاں وسط کا معنی "الجزء الذي هو بين الطرفين مثل وسط الدار" یعنی ''دو کناروں کا درمیانی حصہ'' ہے، اسی طرح میرا خیال ہے کہ امت محمدیہ کو امت وسط اس لیے کہا کیونکہ وہ دین میں متوسط و معتدل ہیں، نہ انہوں نے نصاری کی طرح غلو کر کے رہبانیت اختیار کی اور نہ ہی یہودیوں کی طرح تقصیر و تفریط کا شکار ہوئے، عیسائیوں نے حضرت عیسی کو الوہیت کا درجہ دے دیا اور یہودیوں نے کتاب اللہ میں تبدیلی کی، انبیاء کو قتل کیا، رب کا انکار کیا اور کفر پر اتر آئے، لیکن اہل سنت نے اعتدال، میانہ روی اور وسطیت کی راہ اختیار کی، نہ غلو کیا نہ تقصیر، نہ افراط نہ تفریط، لہذا اللہ تعالی نے انہیں ''امت وسط'' یعنی معتدل امت سے تعبیر فرمایا، کیونکہ اللہ تعالی کے نزدیک امور میں اعتدال و میانہ روی محبوب ترین چیز ہے۔ اسی معنی کی قرطبی، ابن کثیر، سعدی اور ابن عاشور نے بھی اس کی تفسیر کی ہے۔ بعض معاصر مفسرین نے لکھا ہے کہ شارع کا مقصد وسطیت سے اس وقت پورا ہوگا جب کہ اس میں ''خیریت'' اور ''بینیت'' کو شامل مانا جائے۔

۲- "حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى وقوموا لله قانتين" (البقرۃ:۲۳۸)

ترجمہ: نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز۔

خلوتی حنفی کہتے ہیں: صلاۃ وسطی یعنی درمیان والی نماز، اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں، ایک تو ''الصلاۃ المتوسطۃ'' یعنی صفت کا صیغہ، معنی ہوا درمیان والی نماز، دوسرا معنی ''الصلاۃ الوسطی'' یعنی اسم تفضیل کا صیغہ ''الاوسط'' کا مؤنث ہے اور ''اوسط الشئ'' کا معنی خیره وأعدله یعنی بہترین اور عادل ترین ہوتا ہے، معنی ہو گیا ایسی نماز جو عمدہ ترین ہو اور بالکل درمیان میں پڑھی جاتی ہو، اس سے مراد نماز عصر ہے، کیونکہ یہ نماز رات اور دن کی نمازوں کے درمیان ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا، الفاظ یہ ہیں: عن علی، قال: قال رسول الله ﷺ يوم الأحزاب: شغلونا عن الصلاة الوسطى، صلاة العصر، ملأ الله بيوتهم وقبورهم نارا" (۱) یعنی ان لوگوں نے ہمیں درمیان والی نماز، نماز عصر سے غافل کر دیا، اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے، اور اس نماز کی فضیلت اس وجہ سے کہ اس وقت لوگ تجارت میں زیادہ مشغول

(۱) کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب الدلیل لمن قال الصلاۃ هي الصلاۃ العصر۔

ہوتے ہیں نیز دن ورات کے فرشتوں کے اجتماع کا بھی یہی وقت ہے۔(۲)

امام الجوزی نے کہا کہ درج ذیل اہل علم نے موفقت کی ہے کہ صلاۃ وسطی سے مراد صلاۃ عصر ہی ہے: علی بن ابی طالب، ابن مسعود، ابی بن کعب، ابن عمر، ابو ہریرہ، عائشہ، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، نخعی، قتادہ وغیرہم۔(۳)

۳- "فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم" (المائدہ:۸۹) اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔

'اوسط' سے مراد یہاں "منزلة بين المنزلتين" اور "نصف بين الطرفين" یعنی دو چیزوں یا دو کناروں کا درمیان، اگرچہ اصل لفظ میں اعلی، خیار (عمدہ) اور عدل کا معنی موجود ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ یہاں وسط کا معنی 'خیار' متروک ہے۔(۴)

اس آیت میں اوسط کو بالکل اس کے لغوی معنی کے مخالف استعمال کیا گیا اور ایسا اس آیت کے سیاق سے ہوا۔

۴- قال أوسطهم ألم أقل لكم لولا تسبحون۔ (القلم:۲۸)

ترجمہ: ان سب میں جو بہتر تھا اس نے کہا کہ تم سے نہ کہتا تھا کہ اللہ کی پاکیزگی کیوں نہیں بیان کرتے۔

اوسط کا معنی یہاں ''احسن اور عقل ورائے کے اعتبار سے عمدہ'' ہے، یا سن کے اعتبار سے اوسط ہے یا زیادہ افضل واعدل ہے۔(۵)

۵- فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا۔ (العادیات:۵)

ترجمہ: پھر اسی کے ساتھ فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں۔(۶)

ان تمام آیات قرآنیہ میں لفظ وسط بالکل تصریحی استعمال ہے، یعنی اپنے لغوی واصلی معنی سے ہٹا نہیں، اسی طرح یہ شریعت اور قرآنی سیاقات کے موافق ہے، مگر اسی کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے نصوص بھی ہیں جو وسطیت کا مفہوم تو دیتے ہیں، مگر الفاظ کچھ اور ہیں، مفہوم کی ادائیگی دوسرے الفاظ کے ذریعہ کی گئی ہے، ظاہر ہے ایک محقق اس سے صرف نظر نہیں کرسکتا، ان تمام کا استقصا تو مشکل ہے البتہ چند کا تذکرہ فوائد سے خالی نہ ہوگا۔

۱- اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم

(۲) تفسیر روح البیان للخلوتی الحقی ج ۱ ص ۳۰۵۔

(۳) زاد المسیر فی علم التفسیر لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۸۔

(۴) احکام القرآن لابن العربی ج ۲ ص ۱۵۷۔

(۵) زاد المسیر فی علم التفسیر لابن الجوزی ج ۸ ص ۲۳۸۔

(۶) فوسطن: درمیان میں گھس جاتے ہیں اس وقت یا حالت گرد وغبار میں مطلب ہے کہ اس وقت یا جبکہ فضا گرد وغبار سے اٹی ہے، یہ گھوڑے دشمن کے لشکروں میں گھس جاتے اور گھمسان کی جنگ کرتے ہیں۔(تفسیر جوناگڑھی)

ولا الضآلين۔ (الفاتحہ:۶-۷)

ترجمہ: ہمیں سچی اور سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا، ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا (یعنی وہ جنہوں نے حق کو پہچانا مگر اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے)، اور نہ گمراہوں کی (یعنی وہ لوگ جو جہالت کے سبب راہ راست سے برگشتہ ہو گئے)

وجہ الدلالۃ: اللہ تعالی نے صراط مستقیم کو دو چیزوں کے ذریعہ واضح کیا (۱) یہ کہ وہ سیدھی راہ ہے (۲) یہ کہ وہ جن پر غضب کیا گیا ہے ان کے علاوہ لوگوں کا راستہ ہے (یہود)۔ اور اسی طرح نصاری کے علاوہ کا راستہ جنہوں نے رہبانیت میں غلو کیا اور حدود شریعت سے تجاوز کر گئے صرف عبادت میں نہیں بلکہ اعتقادی امور میں بھی، پس جب راہ مستقیم یہود و نصاری کی راہوں سے الگ ہے اور یہود و نصاری کا معاملہ غلو پر مبنی تھا، تو پتہ چلا کہ سیدھی راہ وہی ہے جسے اللہ تعالی نے بنایا ہے، اس میں کوئی غلو نہیں، وہ افراط و تفریط کے دو کناروں کے مابین اور یہی معنی وسطیت کا ہے جو منہاج نبوت سے مستنیر ہے۔

۲- كان الناس أمة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين وأنزل معهم الكتاب بالحق، ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه وما اختلف فيه إلا الذين أوتوه من بعد ما جاء تهم البينات بغيا بينهم فهدى الله الذين آمنوا لما اختلفوا فيه من الحق بإذنه والله يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم۔ (البقرۃ:۲۱۳)

ترجمہ: دراصل لوگ ایک ہی گروہ ہے، اللہ تعالی نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے اور صرف انہیں لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی تھی اپنے پاس دلائل آ چکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا، اس لیے اللہ پاک نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنی مشیت سے رہبری کیا اور اللہ جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔

۳- واقصد في مشيك۔ (لقمان:۱۹)

ترجمہ: اور چال میں میانہ روی اختیار کرو۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں: درمیانی چال چلو نہ ایسی آہستگی ہو جو بالکل روک دے اور نہ حد سے زیادہ تیزی ہو، بلکہ معتدل اور بین بین ہو۔

یہ تو چند آیات بطور مثال پیش کی گئیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پورا قرآن اعتدال اور وسطیت کی تعلیم سے بھرا ہے، شریعت مطہرہ نے افراط و تفریط سے سختی سے منع کیا گیا ہے، خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا انسانی احوال و عادات سے، بہر صورت اعتدال و وسطیت اور میانہ روی مقدم ہونا چاہیے۔

☆ وسطیت نصوص حدیثیہ کی روشنی میں:

ذخیرہ احادیث نبویہ پر بھی نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے بعض حدیثیں صراحتاً وسطیت کا معنی واضح کرتی ہیں اور بعض اشارتاً، تذکرہ حسب ذیل ہے۔

۱-بعض وہ حدیثیں جن میں وسط کا لفظ صراحتاً آیا ہے۔

فإذا سألتم الله فاسألوه الفردوس، فانه أوسط الجنة، وأعلى الجنة۔(۷) یعنی جب تم اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا بالکل درمیانی اور بالکل اونچائی والا حصہ ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے: عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: "إذا وضع الطعام فخذوا من حافته، وذروا وسطه، فإن البركة تنزل في وسطه"۔ (۸)

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کھانا رکھا جائے تو اس کے اطراف سے کھاؤ اور درمیان کو چھوڑ رکھو اس لیے کہ برکت کھانے کے درمیان میں اترتی ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں لفظ 'وسط' صراحت کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، یعنی پہلی حدیث میں معنی اعدل (بالکل درمیان میں) اور افضل (عمدہ ترین) کا ہے(۹)، اس اعتبار سے یہ معنی وكذلك جعلناكم أمة وسطا۔ (البقرۃ:۱۴۳) کے موافق ہو گیا اور دوسری حدیث میں بھی معنی ظاہر ہے کہ برکت کا نزول درمیانی ہوتا ہے۔

۲-اسی طرح بعض حدیثیں ایسی ہیں جن میں وسطیت کا ذکر معنوی اعتبار سے ہے لفظی نہیں، ایک طویل حدیث مثال کے طور پر پیش کی جارہی ہے: "عن أنس بن مالك رضى الله عنه، يقول: جاء ثلاثة رهط إلى بيوت أزواج النبى ﷺ يسألون عن عبادة النبي ﷺ فلما أخبروا كأنهم تقالوها، فقالوا: وأين نحن من النبي ﷺ قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر؟ قال أحدهم، أما أنا، فإني أصلي الليل أبدا، وقال آخر: أنا أصوم الدهر ولا أفطر، وقال آخر: أنا أعتزل النساء فلا أتزوج ابدا، فجاء رسول الله ﷺ إليهم، فقال: أنتم الذين قلتم كذا وكذا، أما والله إني لأخشاكم لله وأتقاكم له لكني أصوم وأفطر، وأصلي وأرقد، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني"۔

تین لوگوں پر مشتمل ایک جماعت ازواج مطہرات کے گھر تشریف لائی، اور ان لوگوں نے نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق سوال کیا، انہیں بتایا گیا تو انہوں نے اسے تھوڑا سمجھا اور کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی ﷺ، نبی ﷺ کی تو اگلی پچھلی ساری گناہیں معاف کر دی گئی ہیں، ان میں سے ایک نے کہا: میں ہمیشہ رات کو نماز پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ

(۷) البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب درجات المجاہدین فی سبیل اللہ، حدیث:۲۷۹۰۔

(۸) ابن ماجہ، کتاب الأطعمۃ، باب النہی عن الأکل من ذروۃ الحدیث، حدیث:۳۲۷۷ (حسن)

(۹) فتح الباری لابن حجر، ج۶ ص۱۲۔

رکھتا رہوں گا اور افطار نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا شادی نہیں کروں گا، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس آئے اور کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ تم لوگوں نے ایسا اور ایسا کہا ہے، اللہ کی قسم میرے دل میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ کی خشیت اور اس کا تقوی ہے، جبکہ میرا حال یہ ہے کہ میں روزے بھی رکھتا ہوں، افطاری بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں، عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، لہذا جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔

☆ وسطیت کی طرف دعوت پر ایک نگاہ:

اس میں شک نہیں کہ صحیح منہج کی طرف دعوت ایک اہم فریضہ اور انسانی ذمہ داری ہے، اور یہ ذمہ داری اہل علم پر خصوصا آتی ہے، چنانچہ اہل علم ونظر نے ذمہ داری کو محسوس بھی کیا اور تاریخ کے مختلف ادوار میں پورے اخلاص اور جانفشانی کے ساتھ یہ فریضہ ادا بھی کیا اور اس راہ کی ہر مشقت برداشت کی، ہر پریشانی جھیلی، یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ بحیثیت منہج، طریقہ کار اور انداز فکر کے ان کا مرجع کیا تھا، انہوں نے وسطیت پر مبنی دعوت کے لیے کن دلائل واصولوں کی روشنی میں کام کیا۔

سب سے بنیادی اصل اس منہجی واصولی دعوت (جو منہاج نبوی کے چراغ سے مستفید اور مشکاۃ نبوت سے مستنیر ہے) کے لیے چند احادیث ہیں اور ان تمام کا ماحصل صرف ایک حدیث ہے جو اس موضوع سے متعلقہ تمام احادیث کی جامع ہے، وہ مشہور حدیث اہل علم کے یہاں ''حدیث افتراق'' کے نام سے معروف ہے، یہ حدیث متعدد طرق سے وارد ہے اور اہل علم نے اس کی شرح وتعلیق کا بھی خصوصی اہتمام کیا ہے، اس حدیث میں کچھ زیادات بھی ہیں جو ''وسطیت کی طرف دعوت دینے والی نمائندہ جماعت'' یعنی فرقہ ناجیہ یا طائفہ منصورہ کے سلسلے میں دوٹوک ہیں، یہاں ان تمام طرق کا بیان کرنا مشکل ہے، اسے متعدد صحابہ نے روایت کیا ہے اور اصل متن پر تقریبا تمام کا اتفاق ہے، نص اس طرح ہے: عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: افترقت اليهود على إحدى أو ثنتين وسبعين فرقة، وتفرقت النصارى على إحدى أو ثنتين وسبعين فرقة، وتفرق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة". (۱۰)

یعنی یہود اکہتر (۷۱) یا بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے اور نصاری بھی اکہتر (۷۱) یا بہتر (۷۲) ٹولیوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک روایت میں ہے کہ تمام فرقے جہنمی ہوں گے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا اور وہ ''جماعۃ'' ہے، یا ایک روایت میں اس طرح ہے ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں''۔

بلاشبہ یہ حدیث ان نفوس قدسیہ پر مکمل طور پر منطبق ہے جن کی تربیت خاص رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں ہوئی اور اس طرح ہوئی کہ قرآن وسنت دونوں نے ان کو صفاء نفس، پاکیزگی قلب اور سلیم منہجی میں اسوہ اور نمونہ قرار دیا، بلاشبہ وہ تمام انسانیت کے لیے قابل اتباع واقتداء ہیں، قرآن مجید اس کی صراحت کرتا ہے: "والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه وأعد لهم جنات تجري تحتها

(۱۰) ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب افتراق الأمم، حدیث: ۳۹۹۲ (صحیح)، ابوداود، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، حدیث: ۴۵۹۶۔

الأنهار خالدين فيها أبدا ذلك الفوز العظيم" (التوبہ:۱۰۰)

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی کا یہ قول بھی تائید مزید ہے: "فإن آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا وإن تولوا فإنما هم في شقاق فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم" (البقرۃ:۱۳۷)

اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں اللہ تعالی ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔

اور نبی ﷺ کا قول بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے: عن عبد الله رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم" (۱۱) یعنی لوگوں میں سب سے بہترین زمانہ میرا ہے، پھر اس کے بعد کا زمانہ بہترین زمانہ ہے، پھر اس کے بعد کا زمانہ بہترین زمانہ ہے۔

ان نصوص قرآنیہ وحدیثیہ اور دین ہدی کی اولین جماعت یعنی صحابہ کرام کو منہج وسط واعتدال سے متصف کرنے میں جو ارتباط وتعلق ہے وہ یہ کہ اللہ تعالی نے اس امت کو دو اوصاف سے متصف فرمایا اور دونوں اوصاف ایک دوسرے کا لازمہ ہے، دونوں کو الگ نہیں کیا جا سکتا، پہلا وصف 'خیریت' ہے جو درج ذیل آیت میں بیان ہوا: "كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" (آل عمران:۱۱۰) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہو۔

اور دوسرا وصف 'وسطیت' ہے جو درج ذیل آیت میں بیان ہوا: "وكذلك جعلناكم أمة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا" (البقرۃ:۱۴۳) ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو جائیں۔

'خیریت' کا تقاضا ہے کہ یہ امت 'وسطیت' سے متصف ہو جس پر لفظ جعل دلالت کر رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کی سیرت کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انہوں نے اس وصف سے اپنے عمل کو نہایت خوبصورتی سے متصف کیا، بس یوں سمجھا جائے کہ وہ خیریت ووسطیت کی اعلی قدروں پر فائز تھے، انہیں بنیادوں پر انہوں نے اسلام کی عظمت وتقدس کی حفاظت کی اور اسی قوت سے اسلام کا ننھا پودا بڑھتے بڑھتے ایک گلستاں بن کر اقوام عالم پر چھا گیا اور وہ ایک حاکم امت بن کر ابھرے، قرآن وہدی مصطفیٰ کے دستور ومنہج کو نافذ العمل بنایا۔

(۱۱) البخاری، کتاب الشہادات، باب لا یشہد علی شہادۃ جور.....حدیث:۲۶۵۲۔

اسی طرح جیل اول، نفوس قدسیہ اولی یعنی صحابہ کرام کے منہج پر پیروان اسلام چلتے رہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ خیریت صحابہ کرام میں بالکلیہ اجتماعی طور پر تھی، جبکہ تابعین عظام کے زمانہ میں خیریت انفرادی تھی، اس لیے کہ اس زمانہ میں بہت ساری بدعات وانحرافات کا ظہور ہو چکا تھا، لہذا خیریت کے اعتبار سے ان کا زمانہ صحابہ کرام کے زمانہ سے بعد کے درجہ کا ہے، ہاں یہ انفرادی طور سے اتقیاء وصلحاء کے یہاں تھی، اس معنی کی تصریح میں بہت سارے آثار آئے ہیں، ان میں امام ابوحاتم کا قول اہم ہے، فرماتے ہیں: ''ہمارا علم کتاب الٰہی یعنی کتاب ناطق سے مستفاد ہے، جو ناسخ ہے منسوخ نہیں، اور نبی کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ سے ماخوذ ہے جس کا کوئی معارض نہیں، اسی طرح صاحب علم ودانش صحابہ کرام سے مقتبس ہے، ان مسائل میں جن پر ان سب کا اتفاق ہے اور جن میں اختلاف ہے ان سے بھی علاحدگی اختیار نہیں کی جائے گی، اگر مسئلہ نا قابل فہم اور پیچیدہ ہو جائے تو تابعین سے اخذ کیا جائے گا، اگر تابعین کے وہاں بھی وہ مسئلہ نہ پایا جائے تو ائمہ ہدی و جہابذہ فن سے لیا جائے گا، مثلا: ایوب السختیانی، حماد بن زید، سفیان، مالک بن انس، اوزاعی اور حسن بن صالح ..... پھر اس کے بعد کے اہل علم.....۔

اگر ہم تاریخی مراحل پر نگاہ ڈالیں تو وسطیت اور منہج اعتدال پر مبنی بہت سی تحریکات کی مثالیں مل جائیں گی، سنت وحدیث کے منہجی ودعوتی دفاع میں ائمہ اعلام کی بہت سی قربانیاں ہیں، ان کی طرف اشارہ کافی ہوگا، اس سلسلے میں شیخ ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن المغراوی کی کتاب میں ان کارناموں کو عمدگی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے.....، ساتھ ہی بعض تحریکات ایسی ہیں جن سے صرف نظر کی گنجائش نہیں کہ دفاع حق اور ان کی تبلیغ میں ان کا نہایت اہم حصہ اور نمایاں اثر رہا ہے، اور منہج سلف کی طرف دعوت میں بڑا اہم کردار ومقام رہا ہے، ان میں ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی دعوت تحریک وجہاد اور تیرہویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک، اور ائمہ علمائے مجتہدین یمن کی دعوتی کوششیں، اور ہندوستان میں حضرت امام سید نذیر حسین محدث دہلوی کے دعوتی اثرات ہیں، ان دعوات وتحریکات پر نظر ڈالنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ اہل سنت وجماعت کی طرف دعوت میں بنیادی مقام رکھتے ہیں۔

(۱) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی دعوت:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا ظہور ایسے وقت میں ہوا جب فلسفیانہ موشگافیوں، علمی کلام کی تاویلوں اور صوفیانہ بے اعتدالیوں اور کج فکریوں کا زور تھا، حتی کہ عام اہل سنت نے بھی سمجھ لیا کہ یہی فلسفیانہ فکر ومنطقیانہ طرز اسلامی مزاج سے ہم آہنگ ہے، اس کا بنیادی سبب منہاج نبوت سے جہالت اور طریقہ سلف سے ناواقفیت تھی، شیخ الاسلام کی نشو ونما علمی انداز سے ہوئی، امت کے کشیدہ حالات کا جائزہ لیا، بدعات وانحرافات، گمراہ کن عقائد، اہل تقلید کے مسالک اور رجال کے افکار کو فیصل تسلیم کرنا جیسی خرابیوں کو دور کیا، اور اپنے لیے ایک تجدیدی موقف اور دعوتی منہج بنایا، دعوت الی اللہ اور استقامت علی الحق کے حوالے سے منہج حق کو واشگاف کیا، اللہ تعالی نے آپ کو مناظرانہ صلاحیت اور باطل کے ساتھ علمی معرکہ آرائی کی غیر معمولی

قوت سے نوازا تھا، اور یہ باطل پرستوں کے مناہج میں بے پناہ گہرائی اور ان کے اعتقادی ومنہجی انحرافات سے حد درجہ واقفیت کے طفیل تھا، اپنی تالیفات، تصنیفات، فتاوے اور رسائل کے ذریعہ منہج سلف کی عظمت رفتہ کی بحالی کی اور اس کا کھویا ہوا وقار واپس دلایا، کتاب وسنت سے براہ راست استفادہ کے لیے بے لوث جدوجہد اور عظیم قربانیاں پیش کیں، اس پوری جفاکشی کے بعد انہیں یقینی علم ہوا کہ وحدت امت کا راز کتاب وسنت کے اتباع میں پنہاں ہے، اور منہاج نبوت کے اصل نمائندے کتاب وسنت ہیں جس کی تاکید زبان نبوی سے اور صحابہ سے بار بار وارد ہے، ساتھ ہی شیخ الاسلام کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی تھا کہ انہوں نے عقل کو نصوص کے مقاصد کے تابع بنا دیا، یعنی یہ کہ عقل صریح کبھی بھی نقل صریح کی متضاد ومخالف نہیں ہوسکتی، نصوص سے انہیں چیزوں کی تائید ہوتی ہے جنہیں انسانی عقل قبول کرتی ہے، اس طرح عقل ونقل کا صدیوں پرانا نزاع شیخ الاسلام کی جدوجہد سے ختم ہوا، اور یہ ثابت ہوا کہ عقل فطری وحی الٰہی کے مخالف ہو ہی نہیں سکتی اور عقل فلسفی کو فہم نصوص کی قدرت ہی نہیں، خصوصا جب کہ اسے فلاسفہ ومتکلمین کے نظریات نے حقائق سے پھیر دیا ہو، کم لوگ ہیں جو اس بھنور سے نکل پاتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نزدیک وسطیت کا مفہوم بہت وسیع تھا، تصحیح مفاہیم کے باب میں رسائل، فتاوے اور دیگر تحریرات اس بات کا واضح ثبوت ہیں، وسطیت کے سلسلے میں ایک قاعدہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وقد تقدم أن دين الله وسط بين الغالي فيه، والجافي عنه، والله تعالى ما أمر عباده بأمر إلا اعترض الشيطان فيه بأمرين لا يبالى بأيهما ظفر: إما افراط فيه وإما تفريط فيه۔ یعنی اللہ کا دین غلو کرنے والے اور خشکی وتفریط کا مظاہرہ کرنے والے کے درمیان معتدل ہے، اللہ تعالی اپنے بندوں کو جو بھی حکم کرتا ہے شیطان سامنے آکر دو چیزوں کے ذریعہ وار کرتا ہے، اسے یہ پروا نہیں ہوتی کہ کون سا حربہ کامیاب ہوگا، یا افراط وغلو یا تفریط وتقصیر۔(۱۲)

مزید "الانحراف عن الوسط كثير في أكثر الأمور" قاعدہ کے تحت لکھتے ہیں: "الانحراف عن الوسط كثير في أكثر الأمور في أغلب الناس، مثل تقابلهم في بعض الأفعال يتخذها بعضهم دينا واجبا أو مستحبا أو مأمورا به في الجملة، وبعضهم يعتقدها حراما مكروها أو محرما أو منهيا عنه في الجملة" اکثر لوگوں کے یہاں بیشتر معاملات میں وسطیت سے کافی دوری پائی جاتی ہے، جیسے بعض امور میں لوگوں کا باہم تقابل بتاتا ہے کہ بعض لوگ ایک مسئلہ کو دینی، واجبی، استحبابی یا فی الجملۃ مامور بہ سمجھتے ہیں جبکہ دیگر بعض لوگ اسی کو حرام، مکروہ یا فی الجملۃ ممنوعہ شمار کرتے ہیں۔

ان دونوں اقتباسات سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اعتدال، وسطیت اور منہجیت کے کتنے عظیم علمبردار اور نقیب تھے.....امام موصوف کی اسی اصالت ووسطیت نے انہیں امام وقت ومرجع خلائق بنا دیا، آپ کی شخصیت ایسی

(۱۲) مجموع الفتاوی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج ۳ ص ۲۳۶۔

ہمہ جہت اور متنوع ہوگئی کہ ہر طبقہ اور ہر جماعت، حتی کہ مخالفین بھی آپ کے شاندار، وقیع اور علمی کاموں سے استفادہ اور خوشہ چینی پر مجبور ہوگئے، اور آپ کی تالیفات علماء، مصلحین اور داعیان امت کے لیے چشمہ صافی بن گئیں جہاں ہر تشنہ لب کو سیرابی ملتی ہے۔

(۲) شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت:

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور ان کی تجدیدی واصلاحی تحریک عالمی تحریکات میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے، ان کی تحریک نے فکر ونظر کو ایک جہت عطا کی، یہ تحریک دراصل شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تالیفات اور تحریرات کے بے پناہ اور وسیع مطالعہ کا نتیجہ ہے، اس کے بعد یعنی تر ہویں صدی ہجری کے بعد جس قدر بھی کامیاب اسلامی ومنہجی تحریکات ظہور پذیر ہوئیں ان سب نے اس ستھرے سرچشمہ سے فکری اقتباس لیا، تیرہویں صدی ہجری کے مجدد ومصلح امام محمد بن عبدالوہاب کی شخصیت مختلف فیہ رہی ہے، ان کے افکار ونظریات پر اہل علم وتحقیق کے مابین طول طویل بحثیں چھڑی ہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ بحث وتحقیق اور دلائل کی روشنی میں ایک محقق بلا تامل یہ کہہ اٹھے گا کہ شیخ الاسلام حق کے داعی تھے، توحید کی دعوت ان کا موضوع وحاصل حیات تھا، وہ دنیا کو شرک وبدعات اور انحرافات وخرافات کی آلودگیوں سے پاک دیکھنا چاہتے تھے، شیخ الاسلام کی ولادت ایک ایسے وقت میں ہوئی جبکہ اسلام بالکل اجنبیت کی حالت میں آگیا تھا، اہل اسلام پر جہالت وانحرافات کی تاریک گھٹا چھائی ہوئی تھی، انبیاء وصلحاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا گیا تھا، شجر وحجر تک کو پوجنا توحید کے منافی نہیں تھا، توحید کے حقائق اور اسلامی تعلیمات کو واضح انداز میں پیش کرنے اور شرک وکفر سے ڈرانے والے خال خال ہی رہ گئے تھے، چنانچہ بارہویں صدی ہجری کی درمیانی میقات میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب زبان وقلم کے اسلحے کے ساتھ میدان کارزار میں اتر آئے، انہوں نے پورے وثوق واعتماد اور جانفشانی کے ساتھ توحید وشرک کے حقائق سے لوگوں کو آگاہ کیا، شرک وکفر اور بدعات وانحرافات کی جو خرابیاں معاشرے میں پیدا ہوگئی تھیں انہیں ختم کرنے کی سعی فرمائی اور بتایا کہ اصل اسلام جو اللہ کی طرف سے آیا ہے اور جسے نبی ﷺ نے ہم تک پہنچایا ہے یہ نہیں ہے، بلکہ یہ سب شرک وکفر کی راہیں اور اسلامی تعلیمات کے منافی اعمال ہیں، خدائے واحد وقہار کی تنہا عبادت ہی عین توحید اور اسلام ہے، اس دعوت کے نتیجے میں علماء سوء علم کے دعویدار علماء اور دجالوں کی طرف سے سخت اذیتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن عظمت واستقامت کے اس کوہ گراں نے صبر واستقامت کی راہ کو تھامے رکھا، اور برابر دعوت الی اللہ شریعت کا بیان اور حق کی وضاحت کتاب وسنت کے دلائل اور علماء سلف کے اقوال کی روشنی میں پوری جرأت وبے باکی کے ساتھ کرتے رہے، اس راہ کی ہر مشکل کو جھیلتے ہوئے جان جان آفریں کے حوالہ کردی، ہزاروں اور کروڑوں رحمتیں اس مبارک اور مقدس عظمت پر.....۔

ان کوششوں کے نتیجے میں آپ کی دعوت وتحریک باطل کے طوفانوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتی رہی، حتی کہ سینۂ گیتی کے بیشتر خطے آپ کی دعوت سے متاثر ہوئے اور ہزاروں علماء، دعاۃ اور طلبہ علم نے اسے اپنی زندگیوں کا دستور ومنہج بنالیا۔

لیکن آج شیخ الاسلام کی دعوت اصلاح وتجدیدی تحریک ایک ایسا مضبوط قلعہ بن گیا ہے جو اس قدر ٹھوس اور مضبوط ہے کہ دشمن کے مسلسل اور پیہم حملوں کے علی الرغم اس کی پختگی اور صلابت میں اضافہ ہی ہوتا گیا آج بھی یہ تحریک اپنی پوری قوت اور سرگرمی کے ساتھ عالم اسلام کے مختلف خطوں اور دور دراز گوشوں میں دعوت واصلاح کا کام کر رہی ہے، اس دعوت حقہ اور تحریک سلفیت کو آگے بڑھانے میں سعودی حکومت نے جس خلوص ووفا کا مظاہرہ کیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے اور انہی کی بے پناہ محنتوں اور ہمدردانہ تعاون کے طفیل اس تحریک کو عروج ودوام حاصل ہوا، حرسها الله من كل سوء۔

سچ فرمایا اللہ تعالی نے: فأما الزبد فيذهب جفاء وأما ينفع الناس فيمكث في الأرض۔ (الرعد:۱۷)

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(۳) یمن کے ائمہ مجتہدین کی دعوت:

یہاں اس دعوت سے مراد سلفی دعوت ہے، جسے یمن کے ائمہ مجتہدین اور کبار اہل علم نے انجام دیا، خصوصا امام محمد بن ابراہیم الوزیر، امام محمد بن اسماعیل الامیر اور محمد بن الشوکانی رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ وہ تمام اہل علم جنہوں نے ان ائمہ مجتہدین کا منہج اختیار کیا اور انہی کے فیض علم ودعوت سے اکتساب کے بعد سلفی دعوت کو آگے بڑھایا۔

یہ دعوت وسطیت واعتدال اور منہاج صحابہ پر استقامت میں ممتاز تھی، شریعت کے تمام علمی وعملی گوشوں میں منہاج صحابہ جمے رہے خواہ عقیدہ ومنہج کا معاملہ ہو یا فقہ واصول کا، ہر راہ منہاج صحابہ کی شمع فروزاں سے مستنیر، یہ دعوت دراصل شیخ الاسلام کی دعوت کا بہترین نمونہ اور پرتو تھی، اور ٹھیک اسی وقت دونوں تحریکات سرگرم عمل تھیں، ادھر نجد وحجاز میں شیخ الاسلام کی دعوت کا غلغلہ تھا، ادھر یمن اور اس کے مضافات میں ائمہ مجتہدین کی محنتیں رنگ لا رہی تھیں، اصول ومنہج میں پوری موافقت تھی، فکریاتی ونظریات حوالہ سے دونوں دعوتیں ہم آغوش تھیں، البتہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کو حکومت کی دولت ملی جبکہ ثانی الذکر کو یہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی، مگر ہاں ان کے علمی سرمایے دعاۃ سنت وہدایت اور علماء امت کے لیے عظیم سرمایہ بن گئے کہ علمی صلابت اور اعتقادی پختگی کے لیے ان سے استفادہ ناگزیر ہوگیا، ان کے ائمہ کی تالیفات علمی منہج کا نشان بن گئیں جو مدارس وجامعات اور اہل سنت کے مراکز میں داخل نصاب ہوگئیں، ان میں فہم وتطبیق ہر دو اعتبار سے وسطیت واعتدال کا شاندار مظہر موجود ہے، مگر یہ بھی وضاحت ضروری ہے کہ شیخ الاسلام کی دعوت کو جو اہتمام واعتناء حاصل ہوا وہ علماء یمن کو حاصل نہ ہوسکا۔

ان تینوں دعوتوں اور تحریکات پر ایک تحقیقی نگاہ یہ واضح کر دیتی ہے کہ ان تینوں کا منہجی اور فکری رشتہ بہت زیادہ قوی ہے اور ہر گوشہ میں یکسانیت اور ہم آہنگی کی جھلک نمایاں ہے، عالم اسلام میں ضلالت وگمراہی کے بعد امت کو راہ مستقیم پر گامزن کرنے میں ان تینوں تحریکات اور اس سے وابستہ دیگر سلفی تحریکات کو خصوصی امتیاز حاصل رہا ہے، ان کی جدوجہد نے معاشرہ کو

ہمیشہ مثبت راہ کی رہنمائی کی ہے۔

(۴)ائمہ مجتہدین ہند کی دعوت:

جس وقت شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک اصلاح وتجدید نجد میں کام کر رہی تھی عین اسی دوران ہندوستان میں تحریک شہیدین سرگرم عمل تھی، شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کے جھنڈے تلے دعوت جہاد میں ہزاروں لوگ جمع تھے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دور سے تبلیغ واصلاح کا کام شروع تھا، وہیں حدیث وسنت سے کچھ خصوصی دلچسپی ظاہر ہوئی، ورنہ اس سے قبل لوگ فقہ کی چند کتابوں کو کل سرمایہ دین تصور کرتے تھے، پھر ان کے شاگرد وشاہ محمد اسحاق کے شاگرد رشید حضرت امام سید نذیر حسین محدث دہلوی نے علم حدیث بلند کیا اور کتاب وسنت پر عمل کی ایسی جوت جگائی کہ ہندوستان کا ہر گوشہ اس سے مہک اٹھا، امام سید نذیر حسین محدث دہلوی نے خالص سلفیت کو اپنا منہج بنایا، اور عمر عزیز کے سو سال اسی دعوت کے نمو وارتقاء اور انتشار ونفوذ کے لیے وقف کر دیے، عرب وعجم کے ساٹھ ہزار سے زائد افراد نے ان کے گلستان علم وعمل سے خوشہ چینی کی ہے، اور دنیا کے مختلف خطوں میں اس منہج کو عام کیا جس کا تعلق براہ راست کتاب وسنت سے تھا، اگر سچ کہا جائے تو یہ کہ اس وقت ہندوستان میں عمل بالکتاب والسنۃ کی جو لہر اٹھی تھی اور لوگ براہ راست اس سرچشمہ صافی سے استفادہ کر رہے تھے یہ دراصل اسی دعوت وجہاد کا ثمرہ تھا جو امام دہلوی لے کر اٹھے تھے، ان کے بعد یہ میدان ان کے تلامذہ اور مستفیدین نے سنبھالا، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی، علامہ شمس الحق عظیم آبادی، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری، علامہ احمد اللہ رحمہ اللہ پرتاپ گڈھی، شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، علامہ نذیر احمد رحمانی، علامہ اسماعیل سلفی گوجرانوالہ، علامہ ثناء اللہ امرتسری، علامہ داؤد غزنوی رحمہم اللہ یہ تحریک وجہاد اور تجدید واصلاح کا ایک سلسلہ ہے، یہی دعوت وسط واعتدال ہے، جسے اہل حدیثان ہند وسلفیان برصغیر نے سنبھال رکھا ہے۔

عصر حاضر میں وسطیت پر مبنی تحریکات پر ایک نگاہ:

گذشتہ صدی کے نصف آخر میں تمام فکری سطح پر جدید اسلامی بیداری آئی، یہ علمی وتحقیقی بیداری دراصل ایک طویل مدت سے امت کے اذہان پر جمے ہوئے جہالت وکوتاہ علمی کے غبار کا پیش خیمہ تھا، جو آتش فشاں بن کر پھوٹ پڑا، جس کی وجہ سے لوگ دو راہوں میں بٹ گئے، کچھ نے مغرب کی راہ لی اور کچھ نے دیگر، چنانچہ جن لوگوں نے مغربیت اور جدیدیت کو اختیار کیا، ان کی انتہا مادیت وعلمانیت تک جا پہنچی، اس میں شک نہیں اس بیداری نے علماء امت کو متحرک کر دیا، علماء اسلام نے اسلامی تعلیمات، مبادیات اور اصول ومناہج کا نہ صرف دفاع کیا بلکہ احیاء اسلام اور عقیدہ ومنہج سے تمسک اور تعلق پیدا کرنے کے لیے تحریکات کو وجود کا پیرہن دیا، تاکہ مغربیت زدہ افکار سے امت کو بچا سکیں، اور ان کی منہجی وفکری.....کو محفوظ کر سکیں، ہاں

مگر اتنی وضاحت ضروری ہے کہ ان دعوات وتحریکات کے مابین منہجیت میں کچھ نہ کچھ فروق ہیں، اس سیاق بحث میں ان تحریکات ودعوات کی طرف اشارہ ضروری ہے، جو منہج سلف پر قائم تھیں اور انہیں کا چشمہ صافی سے اپنے ایمان ویقین کے پودوں کی آبیاری کرتی تھیں اور وسطیت واعتدال کو انہوں نے اپنا شعار ومنہج بنایا۔

اس سلسلہ میں علماء نجد کی دعوتی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، عقیدہ وعمل کی اصلاح وتصحیح اور شرک وبدعات کے خاتمہ میں ان کی کوشش اور قربانیاں تاریخ کے صفحات میں سنہرے حروف کی شکل میں ثبت ہیں۔ برسبیل تذکرہ یہاں سلفی دعوت کے ان اعلام وعباقرہ ہستیوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

مصر میں: شیخ محمد رشید رضا، شیخ احمد محمد شاکر، شیخ محمد حامد الفقی۔

شام میں: شیخ محمد جمال الدین القاسمی، شیخ ناصر الدین البانی، شیخ محمد بہجہ بیطار۔

عراق میں: شیخ محمود شکری الآلوسی، اوران کے بہت سے اولاد واحفاد نے یہ میدان سنبھالا۔

یمن میں: محمد بن سالم البیحانی، محمد بن علی بافضل اوران کے علاوہ بہت سے یمنی اہل علم جو اس سلفی ونجدی دعوت سے متاثر ہوئے اوران کے انتشار ونفوذ میں اپنی بے پناہ کوششیں صرف کیں۔

ہندوستان میں: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ اسماعیل شہید، امام سید نذیر حسین محدث دہلوی، امام نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی، علامہ ثناء اللہ امرتسری، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی۔

اس کے بعد ہمارا یہ دور ہے جس میں بہت سی تنظیمیں، جمعیتیں اور تحریکات مختلف ناموں اور مختلف طریقہائے کار کے ساتھ ابھریں، اور تقریباً ہر ایک کا دعوی ہے کہ وہ سلفیت کی داعی اور منہج صحابہ پر گامزن ہے، لیکن ان میں بیشتر ایسی ہیں جو سلفی منہج سے دور ہیں، بہت سی بدعتیں اور شرکیات ان کے مبادیات میں موجود ہیں، بعض نے افراط وتفریط سے کام لیا، لہذا غلو وجفا کی قدریں پروان چڑھ گئیں۔

بایں ہمہ کچھ دعوات وتحریکات ایسی ہیں جو اصلاً سلفی منہج اور منہج سلف کے اصولوں پر کاربند ہیں، وسطیت واعتدال پر مبنی اس جماعت کے خدوخال کی وضاحت ذیل کی حدیث کرتی ہے: "لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم حتى تقوم الساعة" میری امت میں ایک جماعت ایسی ہوگی جو ہمیشہ حق پر غالب رہے گی، قیامت تک انہیں نقصان پہنچانے والے نقصان نہ پہنچاسکیں گے۔

☆☆☆

زمانے کو گالی مت دو

عبداللہ تجید عالم
فضیلت ثالث جامعہ سلفیہ بنارس

انسان کی زندگی دو حالتوں سے خالی نہیں، کبھی خوشحالی اس کا قدم چومتی ہے، تو کبھی پریشانی سے وہ دوچار ہوتا ہے۔ اگر انسان کا ایمان کمزور ہے تو خوشحالی کی حالت میں غرور وتکبر کرتا ہے اور پریشانی کے اوقات میں گریہ وزاری کو اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے۔ اس کے برعکس کامل مومن کو دیکھیں تو دونوں حالتوں میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، خوشی کے موقع پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت کے دنوں میں صبر سے کام لیتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عجبا لأمر المومن، إن أمره كله له خير، وليس ذلك لأحد إلا للمؤمن، إن أصابته سراء شكر، فكان خيرا له، وإن أصابته ضراء صبر، فكان خيرا له"۔ (۱)

''مومن کا حال بھی عجیب ہے، اس کے تمام معاملات اچھے ہیں، اور یہ خوبی صرف مومن ہی کو میسر ہے، کسی اور کو نہیں، اگر اسے خوشی لاحق ہوتی ہے تو (اللہ کا) شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے، اور اگر پریشانی سے دوچار ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے''۔

اللہ جل جلالہ نے اپنے کلام پاک میں ہمیں شکر گزاری کا فائدہ بتلایا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿لئن شكرتم لأزيدنكم، ولئن كفرتم، إن عذابي لشديد"۔ (۲)

''اگر تم شکر گزاری کروگے تو بیشک میں تمہیں زیادہ دوں گا، اور اگر تم ناشکری کروگے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے''۔

صبر کرنے والوں پر اللہ جو اپنا انعام واکرام فرماتا ہے، سورہ بقرہ کی ان آیات سے اس کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے، اللہ رحیم وکریم نے ارشاد فرمایا:

﴿يا أيها الذين آمنوا استعينوا بالصبر والصلاة، إن الله مع الصابرين ..... ولنبلونكم بشيء من الخوف والجوع ونقص من الأموال والأنفس والثمرات، وبشر الصابرين، الذين إذا أصابتهم مصيبة، قالوا إنا لله وإنا إليه راجعون۔ أولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة، وأولئك

(۱) مسلم: ۹۹۹/۶۴۔
(۲) ابراہیم: ۷۔

هم المهتدون﴾ (۱)

''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو، اللہ تعالی صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے،.....اور ہم (کسی نہ کسی طرح) تمہاری ضرور آزمائش کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور (اے نبی ﷺ!) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے، جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالی ہی کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں''۔

انسان اگر اللہ تعالی کے انعام سے خوش ہوکر شکر ادا کرے اور پریشانی کے اوقات میں صبر سے کام لے تو یقیناً اس پر اللہ کا مزید انعام ہوگا اور پریشانی کے ختم ہونے کے اسباب مہیا ہوں گے۔ فی زمانا اگر مسلم معاشرے پر نگاہ ڈالی جائے تو جہاں دوسری خرابیاں ملیں گی، وہیں اسلام کی اس بہترین تعلیم کی خلاف ورزی بھی بکثرت ملے گی، لوگ مصیبت کے اوقات میں اسلامی تعلیمات کو اپنانے کے بجائے ایسے ممنوعہ افعال کے مرتکب ہوتے ہیں، جن سے پریشانی کے مزید بڑھ جانے کا قوی امکان ہوجاتا ہے۔ ان ممنوعہ افعال میں سے زمانے کو برا بھلا کہنا بھی ہے۔ ''زمانہ برا آ گیا ہے''، ''گیا گزرا زمانہ ہے''، ''وقت کا ستیاناس ہو''، ''ارے بڑا برا زمانہ ہے'' اور اس قسم کے جملے لوگ دھڑلے سے استعمال کرتے ہیں، جب کہ یہ قطعی طور پر ممنوع ہے۔ زمانے کو برا بھلا کہنا جہاں ایک طرف مشرکین عرب کا طریقہ تھا اور اہل الحاد کا شیوہ ہے، وہیں زمانے کو برا بھلا کہنے والا (العیاذ باللہ) اللہ پر زبان درازی کرتا ہے۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے سورہ جاثیہ کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"كان أهل الجاهلية يقولون: إنما يهلكنا الليل والنهار، وهو الذي يهلكنا يميتنا ويحيينا، فقال الله تعالى في كتابه: وقالوا: ما هي إلا حياتنا الدنيا نموت ونحيا، وما يهلكنا إلا الدهر"۔ (۲)

''اہل جاہلیت کہتے تھے کہ ہمیں رات اور دن ہلاک کرتا ہے، وہی ہمیں مارتا اور زندہ کرتا ہے، تو اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں فرمایا: ''انہوں نے کہا: ہماری زندگی صرف اور صرف دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔'' دراصل انہیں اس کی خبر نہیں، یہ تو صرف اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں''۔

---

(۱) البقرۃ: ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۷۔

(۱) تفسیر الطبری، ج: ۲۵-۲۶، ص: ۱۷۸، تفسیر ابن کثیر کے حاشیہ نگار کہتے ہیں کہ اس کی سند بخاری ومسلم کی شرط ہے، لیکن حدیث کا شروع حصہ "كان أهل الجاهلية يقولون" غریب ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ مدرج ہے، ابن کثیر: ۵۵۸/۵، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۷۳۸/۸) میں اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس معاملے میں خاموشی برتی ہے، روایت میں گرچہ وہ حصہ مدرج ہے، لیکن یہ بات صحیح ہے کہ اہل جاہلیت زمانے کو برا بھلا کہتے تھے۔ تفصیل کے لیے فتح الباری (۷۳۹/۸) اور ابن کثیر (۷۳۹/۵) کی طرف رجوع کریں۔

اس آیت کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اپنی مشکلات اور دکھوں کو زمانے کی طرف منسوب کر کے اسے برا بھلا کہنا مشرکین عرب اور دہریہ کا کام ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قال الله عز وجل: "يوذيني ابن آدم، يسب الدهر، وأنا الدهر، بيدي الأمر، أقلب الليل والنهار"۔ (۱)

''اللہ عزوجل نے فرمایا: ''ابن آدم (انسان) مجھے اذیت دیتا ہے، وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے اور میں (صاحب) زمانہ ہوں، میرے ہاتھ میں معاملات ہیں، میں رات اور دن کو بدلتا ہوں''۔

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"لا تسموا العنب الكرم، ولا تقولوا: خيبة الدهر، فإن الله هو الدهر" (۲)

انگور کو کشمش کا نام مت دو، اور نہ یہ کہو: ''ہائے زمانے کی بربادی''! کیوں کہ اللہ ہی زمانہ ہے''۔

امام خطابی رحمہ اللہ "أنا الدهر" (میں زمانہ ہوں) کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"أنا صاحب الدهر ومدبر الأمور التي ينسبونها إلى الدهر، فمن سب الدهر عن أجل أنه فاعل هذه الأمور، عاد سبه إلى ربه الذي هو فاعلها"۔ (۳)

''میں زمانے والا اور ان کاموں کی تدبیر کرنے والا ہوں، جن کو یہ زمانے کی طرف منسوب کرتے ہیں، جس شخص نے زمانے کو محض اس بنا پر برا بھلا کہا کہ اللہ تعالی ان امور کا بنانے والا ہے تو اس کی یہ گالی اس کے رب کی طرف لوٹتی ہے، جو ان امور کا کارساز ہے''۔

لہذا زمانے کو برا بھلا کہنا دراصل اللہ تعالی کو برا بھلا کہنا ہے، کیوں کہ سارا نظام عالم اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی پیدا کرنے والا اور وہی مارنے والا ہے، وہی مدبر الامور، مسبب الاسباب اور سب کی بگڑی بنانے والا ہے، اس لیے کسی بھی ذی عقل کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے خالق حقیقی کو (نعوذ باللہ) گالی دے یا برا بھلا کہے۔ ہمیں اس معاملے میں بہت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے کہ مبادا چھوٹی سی غلطی سے کہیں ہمارا ایمان برباد نہ ہو جائے۔

اللہ تعالی ہمیں دین کی صحیح سمجھ اور گہرا علم عطا فرمائے اور اسلامی احکام و مسائل پر اچھی طرح عمل کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

☆☆☆

(۱) فتح الباری ج۸ ص۸۳۸۔

(۲) بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورہ جاثیہ، حدیث نمبر: ۴۸۲۶۔

(۳) بخاری، کتاب الادب، باب لاتسبوا الدھر، حدیث نمبر: ۶۱۸۲۔

تاریخ تحریف اور ہندوستانی مسلمان

طارق اسعد بن اسعد اعظمی
فضیلت سال اول، جامعہ سلفیہ بنارس

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کی تاریخ اس کا سرمایہ افتخار ہوتی ہے۔ وہ قوم خواہ کس قدر بھی ذلت وپستی اور بے سروسامانی جھیل رہی ہو مگر اس کی تاریخ اس کے لیے مشعل راہ ہوتی ہے اور اسے دوبارہ ابھرنے اور پیش قدمی کا جذبہ عطا کرتی ہے۔ لیکن اگر کسی امت کو اس عظیم سرمایے سے محروم کر دیا جائے اور اس کی تاریخ چھین لی جائے تو اس کا وجود بحیثیت ایک قوم کے اس صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے اور وہ اپنی موت آپ مرجاتی ہے، کیوں کہ اس کے امتیازات، اس کی خصوصیات وکمالات اور عظمت وشرف سے اس کا ناطہ ٹوٹ گیا تو اس کے اندر وہ جذبہ اور جوش کیوں کر پیدا ہوسکتا ہے جو اسے قدم قدم پر سہارا اور اپنی عزت واقتدار پر کٹ مرنے کا حوصلہ عطا کرتا تھا۔

بدقسمتی سے آزادی کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ یہی گھناؤنا کھیل کھیلا گیا اور یہ کوشش کی گئی کہ انہیں ان کے اصل سرمایے سے محروم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس خیال کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کی بہترین تاریخ سے چھیڑ خانی کی سعی مذموم کی گئی، ان کے اکابرین ومجاہدین کی قربانیوں پر پردہ ڈال دیا گیا، ان کی شخصیت نیز ان کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوششیں کی گئیں اور اب تک کی جارہی ہیں۔ اس کے پیچھے صرف یہی جذبہ کارفرما ہے کہ کسی طرح سے مسلمانوں کے ذہن ودماغ سے ان کی بہترین ماضی کو اوجھل کر دیا جائے تا آنکہ یہ قوم اپنے اصل ورثے سے محروم ہوجائے اور ان پر خودساختہ تاریخ مسلط کر دی جائے۔

''ہندوستان میں اسلامی تاریخ کی جڑیں بہت ہی گہری اور مستحکم ہیں۔ تاریخ کی ایک لمبی مسافت ہے جو مسلمانوں نے اس سرزمین پر عظمت وبلندی کے پرچم تلے طے کی ہے۔ جب مسلمان یہاں وارد ہوئے تو سرزمین ہند کی گلریز وادیوں نے ان کے پاؤں چومے، یہاں کی سنگلاخ پہاڑیوں نے مسلمانوں کی قدم بوسی کی، گنگا کے کناروں نے مجاہدین اسلام کے قافلوں کے لیے اپنے دامن کو وا کر دیا اور اس کی وادیاں حق کی اذان سے گونج اٹھیں۔

مسلمان اپنے ساتھ ادب، تہذیب، اخوت ومساوات اور علم وعرفان کا جو خزانہ لے کر آئے تھے اسے انہوں نے صنم کدہ ہند میں پوری فیاضی سے لٹایا۔ توحید جو اسلام اور مسلمانوں کی پہچان تھی اس کے نور سے ظلمت کدہ ہند کو منور کر دیا اور برہمن زادوں کو توحید کے عرفان سے آشنا کر دیا۔''(۱)

(۱) تاریخ کا المیہ اور ہندوستانی مسلمان از ڈاکٹر محمد ابراہیم مدنی حفظہ اللہ، ماہنامہ محدث، جون ۱۹۹۸ء، ص: ۸

ہندوستان کا امن وسکون اور ہندو مسلم اتحاد اس وقت سے پارا پارا ہونا شروع ہوا جب انگریزوں کے منحوس قدم سر زمین ہند پر پڑے ۱۶۰۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعہ ہندوستان میں وارد ہوئے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد جب دہلی کا مرکز کمزور پڑ گیا تو اس کمپنی نے اپنے بال و پر نکالنے شروع کئے جس کا پہلا افسوسناک سانحہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں رونما ہوا جب بنگال کے نواب سراج الدولہ کی فوج اپنوں کی در پردہ سازشوں کا شکار ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی مٹھی بھر فوج کے مقابلے میں شکست سے دوچار ہوگئی۔

اس دور میں کمپنی کے ارباب حل وعقد نے بنگال کی ہنرمند آبادی پر جو مظالم ڈھائے اور جس طرح سے انہیں لوٹا کھسوٹا وہ ہندوستان کی تاریخ کا سیاہ باب ہے۔ چنانچہ اس وقت علمائے اسلام اور مسلمانوں نے دینی ذمہ داری اور حب الوطنی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے انگریزوں سے لوہا لینے کا ارادہ کیا۔ حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند مسند وقت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی جرأت وحمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتوی دیا۔ یہی فتوی ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا نقطۂ آغاز بن گیا جس نے دردمندان ملت کے دل میں یہ امنگ پیدا کی کہ اب مادر وطن میں اسلام اور دین کی حفاظت کے لیے سفید فام استعمار سے ٹکر لینا لازمی ہے۔ شاہ صاحب کے بروقت فتوے نے عوام کے دلوں میں بھڑکتی چنگاری کو شعلہ بنا دیا جس کے سبب پورے ملک میں جگہ جگہ انگریزوں کی مخالفت نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔(۱)

جنوبی ہند میں ٹیپو سلطان انگریزوں کے خلاف برسر پیکار ہوگیا۔ انگریزوں سے پہلی ہی جنگ میں انہیں عبرتناک شکست دی اور انہیں صلح پر مجبور کر دیا۔ انگریز ٹیپو سلطان کو ہندوستان پر اپنے قبضے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے کیوں کہ اس کی بہادری، اولوالعزمی اور دوراندیشی کے آگے انگریزوں کی ایک بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر کار مکار انگریزوں نے نئی چال چلتے ہوئے سلطان کی فوج کے چند سپہ سالاروں کو خرید کر انہیں اپنا ہمنوا بنالیا۔ سری رنگا پٹم سے ٹیپو سلطان مجاہدین کی ایک جماعت لے کر نکلا اور انگریزوں سے ٹکرا گیا۔ لیکن افسوس کہ سلطان کی فوج میں ایمان فروشوں کا ایک گروہ تھا جو درحقیقت انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔ انہیں کی غداری کے سبب ۱۷۹۹ء میں سلطان کو شکست ہوئی اور جام شہادت نوش کیا۔ موت سے قبل اس نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ ''میرے نزدیک شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔'' ٹیپو سلطان کی لاش پر قدم رکھ کر انگریز کرنل ویلزے نے کہا تھا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔(۲)

(۱) تحریک آزادی ہند میں مسلم علما اور عوام کا کردار، از محمد سلمان منصور پوری۔ ص: ۱۸-۱۷

(۲) روزنامہ راشٹریہ سہارا آزادی نمبر، ۱۵/اگست ۲۰۰۶ء ص: ۴۵-۴۴

ادھر شاہ عبدالعزیز کے فتوے پر عمل درآمد کرتے ہوئے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ نے جلیل القدر علماء کی ایک جماعت تشکیل دی اور نعرۂ جہاد بلند کیا۔ اس دوران سرحد پر سکھوں کی طاقت بہت بڑھی ہوئی تھی اور عوام پر ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ نیز سکھوں کی حکومت اسلامی علاقوں اور انگریزوں کے مقبوضہ علاقوں کے درمیان رکاوٹ تھی۔ سید احمد شہید نے سکھوں کے راجہ رنجیت سنگھ کے نام خط لکھا جس میں آپ نے اسے ظلم وستم سے رک جانے اور انگریزوں سے مقابلہ آرائی کی دعوت دی۔ مگر رنجیت سنگھ نے انکار کر دیا جس کے سبب جنگ ناگزیر ہوگئی۔ چنانچہ سب سے پہلا مقابلہ ۱۸۲۶ء میں ہوا جس میں ۳۷ مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔ بالاکوٹ کے میدان میں آخری اور فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں سکھوں نے سید صاحب کی جماعت سے چند غداروں کو ملا کر ان پر بھرپور حملہ کیا۔ مسلمان مجاہدین نے جم کر مقابلہ کیا لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ بالآخر ۷ یا ۸ مئی ۱۸۳۱ء کو بشمول سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید اس مقدس جماعت کے ۳۰۰ جیالوں نے جام شہادت نوش کر لیا اور دین پر جان قربان کر دینے والوں میں سنہرے حروف میں اپنا نام نقش کر دیا۔(۱)

معرکہ بالاکوٹ میں دونوں اماموں کی شہادت کے بعد مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی نے صادقپور پٹنہ میں تحریک اصلاح اور جہاد آزادی شروع کی۔ ان دونوں حضرات نے ۱۸۳۱ء سے لے کر ۱۸۵۸ء تک انگریزوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ بیسیوں بار انگریزوں نے ان کے خلاف مہمات روانہ کیں اور ان کے مراکز کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ملکی پیمانے پر جو عظیم الشان بغاوت رونما ہوئی وہ علمائے صادقپور کی جہادی حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔

ان دونوں حضرات کی وفات کے بعد مولانا عبداللہ غازی بن مولانا عنایت علی صادقپوری نے کمان سنبھالی اور انگریزوں کے خلاف سرحد پر جنگ امبیلا لڑی اور ان کو زبردست نقصان پہنچایا۔ بغاوت کی آگ سرد ہونے پر انگریزوں نے مسلمانوں کی خلاف جم کر بھڑاس نکالی خاص کر علمائے صادقپور مولانا یحیی علی، مولانا عبدالرحیم اور مولانا احمداللہ صادقپوری وغیرہم کی جائدایں ضبط کر کے ان کو کالا پانی کی سزا دی۔ ظلم کی انتہا اس وقت ہوئی جب کینہ پرور انگریزوں نے عین عیدالفطر کے دن ان کی عورتوں اور بچوں کو گھر سے باہر نکال دیا اور ان کے قبرستان اور محلات کو اکھاڑ برابر کر دیا۔

علمائے صادقپور نے جائدادوں کی ضبطگیاں، مقدمات بغاوت، حبس دوام اور کالا پانی کی سزاؤں کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا۔ اس مقدس جماعت میں مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا عبداللہ غازی، مولانا عبدالکریم، میر نعمت اللہ، امیر رحمت اللہ، عبدالعلی، طالب علی، باقر علی اور مولانا عبدالرحیم صادقپوری جیسے جیالے اور بہادر علما شامل تھے۔ خاندان صادقپور کا کوئی بھی فرد انگریزوں کے ظلم وجبر سے نہ بچ سکا۔ مولانا یحیی علی صادقپوری کا انتقال انڈمان میں بحالت اسیری ہوا۔ مولانا عبدالرحیم صادقپوری اور مولانا محمد جعفر تھانیسری نے انیس سال سے زائد عرصہ کالا پانی کی قید میں گذارا۔ الغرض تحریک

(۱) جریدہ ترجمان ۳۰-۱۶/نومبر ۲۰۰۷ء ص:۹، تحریک آزادی اور مسلمان از اسیر ادروی، ص ۳۲-۱۹

آزادی ہند میں علمائے صادقپور نے جو عظیم الشان قربانیاں پیش کی ہیں شاید ہی کسی اور نے پیش کی ہوں۔ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ان کی مساعی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا: ''اگر سارے ملک کے حریت پسندوں کی وطن کی آزادی کے لیے خدمات کو ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں صرف علمائے صادقپور کی خدمات رکھی جائیں تو صادقپوری علما کا پلڑا بھاری ہوگا۔''(۱)

انگریزوں کے ظلم وستم، سیاسی، سماجی اور معاشی استحصال نے ہندوستانیوں کے دلوں میں بغاوت کا شعلہ بھڑکا دیا جو بالآخر ۱۸۵۷ء کو پھٹ پڑا۔ باشندگان ہند خصوصاً مسلمانوں سے ان کی مذہبی آزادی چھین لی گئی اور ان پر عیسائی مذہب وتہذیب تھوپنے کی کوشش کی گئی جس سے بے چین ہوکر ہندوؤں اور مسلمانوں نے متحد ہوکر آزادی کا بگل بجا دیا۔ میرٹھ کی چھاؤنی میں ۱۸۵۷ء کو بغاوت کا علم بلند ہوا اور تمام چھاؤنیوں سے مسلمان فوجیوں نے علم جہاد بلند کر دیا۔ جنرل بخت خان کی قیادت میں مسلمانوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو حکمرانی کے لیے آمادہ کر لیا لیکن افسوس کہ چند غداروں اور سکھ فوجیوں کی بے وفائی نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور انگریزوں نے دلی میں قتل عام شروع کر دیا۔ دہلی جو عروس البلاد کی حیثیت رکھتا تھا ہزاروں مسلمانوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ بندوقوں کی تڑتڑاہٹ اور گولیوں کی گرگراہٹ سے دہلی اجڑ گیا۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ انگریزوں نے باشندگان دہلی بالخصوص مسلمانوں کے قتل عام سے اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا۔ بہادر شاہ ظفر اور اس کے بیٹے خواجہ نظام الدین اولیا کے مزار میں چھپ گئے وہاں سے ان کو گرفتار کیا گیا اور تین دن تک انہیں بھوکا رکھا گیا۔ تین دن بعد جب بادشاہ نے کھانا مانگا تو سنگ دل اور شقی القلب انگریزوں نے اس کے بیٹے کو ذبح کر کے اس کا جگر اور گوشت طشتری میں رکھ کر بہادر شاہ کو پیش کیا، پھر اونٹ کی پیٹھ پر اس کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر رنگون (برما) بھیج دیا گیا۔ اور وہیں غربت کی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا۔(۲)

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں اتنی بڑی تعداد میں مسلمان شریک تھے کہ صرف دہلی میں بغاوت کے ناکام ہونے کے بعد ۲۷/ ہزار مسلمانوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد بیس پچیس سال کا یہ زمانہ قیامت کے ہولناک اور طویل ترین دن کا ایک ٹکڑا بن گیا۔ مسند درس پر بیٹھ کر حدیث وقرآن کا درس دینے والے علما ننگی تلوار لے کر انگریزوں سے دست بدست جنگ کے لیے نکل آئے۔ جس کے سبب ان علما پر انگریزوں کا خصوصی عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ انہوں نے علمائے کرام کو گرفتار کیا، ان کو بوریوں میں بند کیا اور دریائے راوی میں پھینک کر اوپر سے گولیاں چلائیں۔ علما کے بدن سے خنزیر کا

(۱) جریدہ ترجمان ۳۰-۱۶/ نومبر ۲۰۰۷ء ص ۱۱، ماہنامہ محدث بنارس ۱۹۹۸ء، تحریک آزادی ہند میں مسلم علما اور عوام کی کا کردار، ص: ۴۴-۴۰، تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں از قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری، ص: ۲۷۲۔

(۲) تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں، ص: ۲۶۲-۲۵۷۔

گوشت باندھا گیا اور انہیں جلتے ہوئے تندور میں پھینک دیا گیا۔ دلی کے چاندنی چوک میں ایک ایک دن ۸۰-۸۰ علمائے کرام کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا گیا۔ دہلی سے لے کر خیبر تک، دہلی سے لے کر لاہور تک، دہلی سے لے کر میرٹھ تک کوئی ایسا درخت نہ تھا جس میں نہ کسی عالم کی لاش نہ لٹکی ہو۔

انگریزوں نے ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کو تحقیقات پر معمور کیا کہ کہ وہ یہ معلوم کرے کہ انگریز کے خلاف شورش کا سرچشمہ کون لوگ ہیں۔ ڈاکٹر ہنٹر نے برصغیر میں بالعموم یوپی، بہار اور بنگال کا خفیہ دورہ کر کے دس سال کی مسلسل محنت کے نتیجے میں ایک رپورٹ مرتب کی اور اس میں تحریر کیا کہ شورش کا سرچشمہ ہندوستان کے ''وہابی'' علماء ہیں۔ لفظ وہابی کو اس طرح نفرت انگریز بنا دیا گیا کہ انگریز کے نزدیک وہابی اور باغی مترادف الفاظ قرار پائے۔ ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی اس رپورٹ میں یہ بھی لکھا کہ تین کتابیں انگریزوں کے خلاف انتہائی خطرناک ہیں۔ غیر وہابی علما سے ان کی تردید کرانا ضروری ہے۔ یہ تینوں کتابیں ''تقویۃ الایمان'' مصنفہ شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ، ''صراط مستقیم'' جو سید احمد شہید رحمہ اللہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور ''شرح وقایہ'' ہیں(۱)

الغرض مسلمانوں نے خون کی ندیاں بہا کر اس ملک کو انگریزوں کے پنجہ استبداد سے نکالنے کی کوشش کی۔ سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید، صادقان صادقپور، خاندان غزنویہ، مولانا ابوالکلام آزاد، اشفاق اللہ خان، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، خان عبدالغفار خان وغیرہ وغیرہ وہ جیالے نفوس ہیں جن کی جدوجہد اور قربانیوں کے طفیل اس ملک کو آزادی کا پروانہ ملا۔

لیکن کہانی یہیں پر ختم نہ ہوئی۔ ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو جب ملک میں آزادی کا سورج طلوع ہوا تو مسلمانوں نے سمجھا کہ انہیں منزل مقصود مل گئی، ان کا سفینہ ساحل کو پہنچ گیا، ملک کے اقتدار میں وہ برابر کے حصے دار ہیں کیوں کہ اس منزل تک پہنچنے کے لیے انہوں نے جس جدوجہد کا مظاہرہ کیا تھا اور جو خواب دیکھے تھے ان کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت آ گیا تھا، مگر یہ کیا؟ صبح کو جب آنکھ کھلی تو کچھ اور ہی منظر سامنے تھا۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر — وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر — چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں

آزادی کی خوشی مشکل سے ۴۸ گھنٹے تک ہی رہ پائی تھی کہ ملک میں فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑا۔ مشرقی پنجاب میں انتہا پسند ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کے گاؤں اور شہروں پر حملے کئے، ان کے گھروں کو جلا دیا، معصوم مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ملک کے طول وعرض میں فرقہ وارانہ فساد کا جو سلسلہ شروع ہوا اور جس طرح سے مسلمانوں کو

(۱) تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں، ص ۲۶۲-۲۶۱، روزنامہ راشٹریہ سہارا آزادی نمبر، ص: ۱۷-۱۱، داستان ہند از عزیز برنی، ص: ۱۳۰۔

نشانہ بنایا گیا اس کی داستان بہت ہی طویل اور المناک ہے۔۳؍فروری ۲۰۱۴ء کو شائع ایک رپورٹ کے مطابق آزادی سے اب تک ملک میں ۳۰ ہزار سے زائد فسادات رونما چکے ہیں۔(۱)

آزادی کے بعد مسلمانوں کے اوپر سب سے بڑا ظلم یہ ڈھایا گیا کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کے عظیم الشان کارناموں پر پردہ ڈال دیا گیا۔متعصب مؤرخین نے مسلمانوں کے بے لوث قربانیوں کو مسخ کر دیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج اہل وطن کے درمیان وہ جماعت جس نے وطن کی آزادی کے لیے سب سے پہلے علم بغاوت بلند کیا اور جام شہادت نوش کیا بالکل اجنبی بن گئی۔نہ ان کا کوئی نام لیتا ہے نہ ان کی قربانیوں کو جانتا ہے۔تاریخ ہند میں تبدیلی کی یہ ناپاک اور مکروہ کوشش آر ایس آیس اور اس کی ذیلی تنظیموں کی مرہون منت ہے۔چناچہ آر ایس ایس کا ایک مؤرخ لکھتا ہے:

''ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے آپ کو پہلے مسلم ثابت کیا پھر ہندوستانی۔ملک کی فضا پر مسلمانوں کا جنون چھایا ہوا تھا۔'بھارت ماتا کی جئے' کے بجائے 'اللہ اکبر' کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ ہندو ہی بھارت میں قوم ہیں اور ہندتو اس کی قومیت ہے۔صرف ہندو ہی ہندوستان کو آزاد کرا سکتے ہیں اور صرف یہی ہندو کلچر کو بچا سکتے ہیں۔''

آر ایس ایس کے مطابق ہندوستانی قوم کی تعمیر میں مسلمانوں کا کوئی رول نہیں رہا ہے بلکہ انہوں نے تو اس ملک کو لوٹا اور برباد ہی کیا ہے۔ان کا دور غلامی کا دور ہے۔

آر ایس ایس ترک،افغانی اور مغل حکمرانوں کو مذمت اور تردید میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔مسلمانوں کی بدترین نسل کشی میں ایک بڑی رکاوٹ وہ تاریخی عمارتیں ہیں جن کی خوبصورتی لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔چنانچہ آر ایس ایس نے ان عمارتوں کو ہندو بادشاہوں کی طرف منسوب کر دیا اور یہ بتایا کہ تاج محل،لال قلعہ اور قطب مینار وغیرہ عمارتیں ہندو راجاؤں کی تخلیق کردہ ہیں۔سنگھ نے جو نصاب تعلیم تیار کیا ہے اس میں اسی طرح کی دروغ گوئیاں موجود ہیں جو ان کے بچے پڑھتے اور اسے سچ سمجھتے ہیں۔یہی تعلیم ان کے ذہن و دماغ میں نفرت کا بیج بو دیتی ہے اور مسلمانوں کے تئیں ان کا رویہ جارحانہ اور متعصّبانہ ہو جاتا ہے۔یہ کتابیں سنگھ کے مختلف مکتبات ہندی اور انگریزی میں شائع کرتے ہیں اور بآسانی دستیاب ہیں۔(۲)

افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اغیار نے مسلمانوں کی تاریخ کے ساتھ جو کھلواڑ کیا وہ اپنی جگہ پر،لیکن خود ہمارے درمیان ایسے بہی خواہوں کی کمی نہیں جو اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔مسلکی اختلافات اور اندرونی چپقلش کے چلتے انہوں نے اغیار کی ہاں میں ہاں ملا کر اور ان کے پیش کردہ غیر معتبر حقائق پر اعتماد کرتے ہوئے تاریخ ہند سے ان مجاہدین کو

(۱) روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ،۳؍فروری ۲۰۱۴ء،داستان ہند ص:۱۸۔

(۲) آر ایس ایس:ایک مطالعہ از حارث بشیر،ص:۸۶-۸۲۔

نظرانداز کرنے کی کوشش کی ہے جن کی خدمات اور قربانیاں سب سے بڑھ کر ہیں۔ان مجاہدین آزادی کا صرف اتنا قصور ہے وہ تاریخ نویسوں کے ہم مسلک یا مکتب فکر کے حامی نہ تھے۔اعداء کے ساتھ ساتھ اصدقاء نے جو کرم فرمائیاں کی ہیں وہ بھی کچھ کم المناک اور دردناک نہیں۔

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوک دشنام چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرز ملامت

وطن عزیز میں مسلمانوں کے ساتھ نصف صدی سے زائد عرصہ سے جو کھیل کھیلا جارہا ہے،مسلمانوں کو جس طرح حاشیہ پر لا کھڑا کردیا گیا ہے،ان کی عظیم الشان تاریخ سے جس طرح سے کھلواڑ کیا جارہا ہے،اس سے کم از کم یہ بات تو واضح ہوجاتی ہے کہ اب مسلمانوں کا کوئی چارہ گر اور خیر خواہ نہیں۔ ہر کوئی انہیں ووٹ بینک یا ذاتی مصلحت کے طور پر استعمال کررہا ہے۔ آئے دن کے فسادات اور ان میں مسلمانوں کے جانی ومالی نقصانات، ملک کے طول وعرض سے مسلمانوں کی گرفتاریاں، مسلمانوں کی تعلیمی،اقتصادی،تعمیری، سیاسی پسماندگی، سچر کمیٹی ،سری کرشنا کمیشن ، رنگناتھن مشرا کمیٹی کی رپورٹ اور سفارشات اور حکومت وقت کی اس پر مجرمانہ خاموشی،مسلم اداروں،اسکولوں اور مدارس کے تئیں حکومت کا رویہ،مسلمانوں پر ہندوتوا کی سفاکانہ نگاہیں، ہندوتوا کے نظریہ کو مسلمانوں پر تھوپنے کی کوشش،ایک مشرکانہ گیت کا مسلمانوں کو گانے پر اصرار، یہ سب وہ حقائق ہیں جو مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔یہ تمام اعداد وشمار اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ اب مسلمان تعلیم وترقی کے میدان میں پیش قدمی کریں،تاریخ ہند میں جو مذموم تبدیلیاں کی گئی ہیں ان کی نشاندہی کریں،مسلک وملت کے اختلافات سے بالا اٹھ کر مل جل کر کام کریں، جذباتی نعروں اور جوشیلے بیانات پر دھیان دینے بجائے ٹھنڈے دل سے سوچیں اور نیا لائحہ عمل مرتب کریں،محض امداد غیبیہ پر توکل کے بجائے قوت بازو کے سہارے مصائب ومشکلات کا سامنا کریں۔اللہ ہمارا حامی وناصر ہوگا۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

☆☆☆

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ کا سالانہ امتحان ۵/مئی ۲۰۱۴ء کو شروع ہوکر ۱۱/مئی ۲۰۱۴ء کو اختتام پذیر ہوا۔ امتحان ختم ہونے کے بعد جامعہ میں عام تعطیل کردی گی اور طلبہ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ البتہ تدریس اور ادارہ سے متعلق افراد امتحان کے نتائج کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ مدرسین کی تعطیل ۲/جون ۲۰۱۴ء کو شروع ہوئی۔ گرمی کی سالانہ تعطیل اور رمضان وعید الفطر کی تعطیل کے بعد جامعہ دوبارہ سنیچر، ۹/اگست ۲۰۱۴ء مطابق ۱۲/شوال ۱۴۳۵ھ کو کھلے گا۔ اور حسب معمول نئے تعلیمی سال میں داخلہ کے لیے تحریری وشفوی امتحان بالترتیب ۱۰ و ۱۱/اگست ۲۰۱۴ء بروز اتوار وسوموار ہوگا، ان شاء اللہ۔ امید کی جاتی ہے کہ تعلیم کا باقاعدہ آغاز ۱۳/اگست ۲۰۱۴ء بدھ سے ہوگا۔

جامعہ میں زیر تعلیم طلبہ سے اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ ۱۲/اگست ۲۰۱۴ء منگل تک جامعہ میں پہنچ جائیں۔

انجمن حفلۃ الخطابہ (جامعہ رحمانیہ) کا سالانہ انعامی مسابقہ دونشستوں میں منعقد ہوا:

پہلی نشست بتاریخ ۱۰/۴/۲۰۱۴ء مطابق ۹/جمادی الآخرۃ ۱۴۳۵ھ بروز جمعرات فضیلۃ الشیخ جناب مولانا عبد المتین صاحب مدنی حفظہ اللہ کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں ثانویہ اولی کے طلبہ نے ''صلہ رحمی اسلام کی نظر میں'' کے موضوع پر تقریر کی اور اس گروپ میں پہلی پوزیشن یاسر فیصل نے، دوسری پوزیشن عبد المبین محمد موسی اور محمد جاوید سراج اللہ نے جبکہ تیسری پوزیشن یاور مرزا محمد رفیق نے حاصل کی۔ ثانویہ ثانیہ کے طلبہ نے ''اسلام کا نظام عدل'' کے موضوع پر تقریر کی جس میں پہلی پوزیشن عبد الغفار عبد القدیر نے، دوسری پوزیشن عبد الغفار عبد القدیر نے جبکہ تیسری پوزیشن محمد سجاد عبد الستار اور آفتاب احمد شیخ وکیل احمد نے حاصل کی۔

دوسری نشست بتاریخ ۱۷/۴/۲۰۱۴ء مطابق ۱۶/جمادی الآخرۃ ۱۴۳۵ھ بروز جمعرات فضیلۃ الشیخ جناب مولانا محمد یونس صاحب مدنی حفظہ اللہ کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں متوسطہ اولی کے طلبہ نے ''اسلام دین رحمت'' کے موضوع پر تقریر کی، اس میں پہلی پوزیشن فیصل جمال اختر حسین نے دوسری پوزیشن حمود حسن فضل حق نے اور تیسری پوزیشن عبد الحلیم شمیم احمد نے حاصل کی۔ متوسطہ ثانیہ کے طلبہ کا عنوان ''توبہ اور اس کے فوائد'' تھا، اس میں پہلی پوزیشن محمد مدثر نعیم الدین نے، دوسری پوزیشن عبد الباقی وارث علی نے اور تیسری پوزیشن محمد سجاد اطہر علی نے حاصل کی۔ متوسطہ ثالثہ کے طلبہ کا منتخب عنوان ''اسلامی بھائی چارہ'' تھا، اس میں محمد عارف محمد موسی علی نے پہلی پوزیشن، حمدان عدیل عبد القیوم نے دوسری اور عدیل اختر عبد المالک نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: روزہ کی حالت میں مریض کو پائخانہ کے راستہ سے حقنہ Anal Injection دینے کا حکم کیا ہے؟

جواب: روزہ کی حالت میں مریض کو پائخانہ کے راستہ سے حقنہ دینے کے بارے میں علماء کرام میں اختلاف ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ تو نہ کھانا ہے اور نہ ہی کھانے پینے کی ہم معنی ہے۔ دیگر علماء کا قول ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (فتاوی شیخ الحدیث: ۲/ ۱۰۷، المغنی ۴/ ۳۵۳، مسائل احمد ۱/ ۲۸۷ بروایۃ اسحاق)

ابن عثیمین رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس بارے میں اطباء سے رائے لینی چاہئے۔ اگر وہ کہیں کہ یہ کھانے پینے کی طرح ہے یعنی حقنہ کے ذریعہ سے کھانا پیٹ تک پہنچ جاتا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر یہ کہیں کہ اس سے جسم کو وہ چیز حاصل نہیں ہوتی ہے جو کھانے پینے سے حاصل ہوتی ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ (احکام الصیام، ص: ۴۹-۵۰) یہی رائے بہتر اور اقرب الی الصواب ہے۔

اسی طرح بیمار آدمی کا درجہ حرارت معلوم کرنے کے لیے اس کے دبر میں تھرمامیٹر یا اس جیسی کوئی چیز ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ (الشرح الممتع ۶/ ۳۸۱)

سوال: مریض، مسافر، حاملہ اور مرضعہ کے روزوں کا حکم کیا ہے؟

جواب: مریض اور مسافر اگر روزہ رکھنے میں تکلیف محسوس کریں یا روزہ رکھنے سے مرض میں اضافہ کا اندیشہ ہو تو وہ بیماری کی حالت میں روزہ نہ رکھے، تاہم روزوں کی قضا بعد میں ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَن كَانَ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵)

یہی حکم ان عورتوں کے لیے ہے جو حمل سے ہوں یا ان کی گود میں شیر خوار بچہ ہو، وہ روزہ رکھنے میں تکلیف محسوس کریں، یا بچے کی بابت خوف ہو یا ڈاکٹر اس قسم کی ہدایت دے۔ یا روزہ رکھنے کی وجہ سے دودھ پلانے والی عورت کے دودھ خشک ہونے کا اندیشہ ہو تو ان صورتوں میں ان کے لیے شریعت کی طرف سے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کریں۔

إن الله وضع عن المسافر شطر الصلاة والصوم عن المسافر عن المرضع والحبلى (أبوداؤد: ٢٤٠٨، ترمذی: ٧١٥، نسائی: ٢٢٧٦، ابن ماجه: ١٦٦٧، مسند احمد ٤/ ٣٤٧، ٥/ ٢٩)

اللہ تعالیٰ نے مسافر کو قصر کی اجازت دی ہے اور مسافر، حاملہ اور مرضعہ کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی ہے۔

اگر سفر میں تکلیف نہ ہو اور بیماری، حمل اور دودھ پلانے کی حالتوں میں روزہ رکھنے سے ضرر اور مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: احکام القرآن للجصاص: ۲/۴۰۲، تحفۃ الاحوذی ۲/۴۲، فتاوی شیخ الحدیث مبارک پوری ۲/۱۰۸)

سوال: دائم المریض اور ضعیف العمر کے روزہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو مرد و عورت دائم المریض ہوں ہر وقت بیماری میں مبتلا رہتے ہوں، صحتیابی کی کوئی امید نہ ہو، یا دونوں بہت بوڑھے ہوں جن کی طاقت وقوت ختم ہوگئی ہو اور روزہ رکھنے پر قادر نہ ہوں تو ایسے افراد روزانہ یا مہینہ کے اخیر میں ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، یہی ان کے روزہ رکھنے کے قائم مقام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين﴾ (البقرا: ۱۸۳) اس آیت سے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما لکھتے ہیں: هى للشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان أن يصوما فيطعمان مكان كل يوم مسكينا. (بخاری كتاب التفسير ۵/۱۵۵)

سوال: روزہ کی حالت میں گلوکوز اور خون چڑھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: گلوکوز یا خون چڑھانا یا کوئی ایسی دوا جس سے بدن کو طاقت پہنچانا مقصود ہو، یا کوئی غذائی مواد بدن میں داخل کرنا ہو تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ یہ چیزیں مفطر صوم ہیں۔

واضح ہو کہ بدن سے خون نکلوانا بشرطیکہ کمزوری کا خوف نہ ہو، درست ہے۔ لیکن خون چڑھانا درست نہیں ہے۔ اسی طرح بلڈ ٹسٹ کے لیے خون نکلوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ المخلص الفقہی ۱/۳۸۴، احکام الصیام، ص: ۲۹، گردوں کی صفائی کے لیے خون نکال کر پھر دوبارہ اسے بدن میں لوٹانے Dialysis سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

سوال: اصلاح تنفس کے لیے استعمال کیے جانے والے اسپرے کا حکم کیا ہے؟

جواب: اصلاح تنفس کے لیے استعمال کیے جانے والے اسپرے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے کیوں کہ وہ صرف گیس ہے جو پھیپھڑے تک جاتی ہے، جو غبار، دھواں اور آلودگی سے ہونے والی پرابلم سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ روزہ کے ستر (۷۰) مسائل۔ (صالح المنجد، ص: ۳۹)

سوال: اگر کوئی شخص اضطراری حالت کی وجہ سے روزہ توڑ دے تو اس کے روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مضطر (مجبور) شخص اگر اضطراری حالت کی وجہ سے روزہ توڑ دے تو اسے بعد میں اس کی قضا ضروری ہے۔ مثلاً ڈوبتے ہوئے شخص کو بچانے کے لیے غوطہ زنی کی ضرورت پیش آجائے یا گھر میں آگ لگ جائے اور اس میں پھنسے ہوئے انسان کو باہر نکالنے کے لیے فایر بریگیڈ کے عملہ کو جلتی آگ میں کودنا پڑ جائے تو ایسے افراد (عملہ) کو اس قسم کی اضطراری حالت

میں روزہ رکھے ہوئے کچھ کرنا مشکل ہوتو روزہ توڑ سکتے ہیں۔(حاشیۃ الروض المربع ۳/ ۳۷۹،المخلص الفقہی ۱/۳۹۲)

سوال: روزہ کی حالت میں پیٹ میں انڈوس کا پی داخل کرنا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے۔ یہ روزہ کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔ إلا یہ کہ اس انڈوس کا پی میں تیل ہو جو اس کے ذریعہ معدہ تک پہنچتا ہوتو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔ روزہ میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے، إلا یہ کہ اس کے استعمال کی فوری ضرورت ہو۔ الشرح الممتع ۶/ ۳۸۳-۳۸۴، بحوالہ کیف نستقبل رمضان، دکتور عبداللہ بن علی الرکبانی۔

سوال: روزہ کے دوران ٹوتھ پیسٹ کرنا کیسا ہے؟

جواب: روزہ کے دوران ٹوتھ پیسٹ کرنا جائز ہے۔ رمضان المبارک، فضائل، فوائد اور ثمرات ص:۴۴ میں شیخ صلاح الدین یوسف نے اسے ''مسواک کی طرح'' قرار دیا ہے۔ اس طرح ایسا منجن جس میں نمک اور سیاہ مرچ ملے ہوں تو بقول ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ''جس طرح تلخ (تازہ) مسواک کرنا جائز ہے ایسے ہی منجن بھی جائز ہے'' بحوالہ فتاوی علماء حدیث ۶/ ۱۰۳۔

البتہ ٹوتھ پیسٹ میں منجن کے مقابلہ میں ذائقہ بہت زیادہ ہوتا ہے یا اس کی تاثیر بہت قوی ہوتی ہے اس لیے مکمل احتیاط کے ساتھ ٹوتھ پیسٹ کے اثرات کو حلق سے نیچے اترنے سے بچا لیا جائے اور مبالغہ سے کام نہ لیا جائے تو اس صورت میں مسواک (اراک) پر قیاس کرتے ہوئے یہ جائز ہے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا یہی فتوی ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اور بعد زوال کراہت کے قول کو بھی انھوں نے مرجوح قرار دیا ہے۔(مجلۃ الدعوۃ ۱۰۴۱، ۴/ رمضان ۱۴۰۶ھ)

لیکن بہتر یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں دن میں مسواک کیا جائے اور مسواک کرنے کی سنت کو زندہ اور قائم کیا جائے۔ منجن اور ٹوتھ پیسٹ کو دن کے علاوہ دیگر اوقات میں کیا جائے۔

سوال: روزہ کی حالت میں انجکشن یا ٹیکہ لگوانا کیسا ہے؟

جواب: روزہ کی حالت میں ایسا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا جس کا مقصد خوراک یا فراہمی قوت نہ ہو بلکہ صرف بیماری کی علاج کے لیے ہو، جائز ہے۔ جیسے پنسلین، انسولین اور نشاط آور دوائیں جن کا روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، خواہ وہ رگ میں لگائے جائیں یا گوشت میں۔

اور اگر یہ انجکشن اور ٹیکے بطور غذا لگائے جائیں یا ان سے مقصود قوت اور طاقت کی فراہمی ہوتو یہ روزہ کے منافی ہے۔ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ فتاوی علماء حدیث ۶/ ۹۸، ۱۰۷، فتاوی ابن تیمیہ ۲۵/ ۲۴۵ فقہ السنۃ ۱/ ۴۶۱ جدید فقہی مسائل، ص:۸۶-۸۸ فتاویٰ شیخ الحدیث ۲/ ۱۰۶

شیخ ابن باز رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ومن الأمور التی لا تفسد الصوم قلیل الدم وضرب الإبر غیر التی یقصد بها التغذیة ولکن تأخیر ذلك إلی اللیل أحفظ وأولی اذا تیسر ذلك''۔ (البلاغ کویت عدد:٦٥، ٢٠/رمضان ١٤٠٢ھ)

تھوڑا خون نکلوانا اور وہ انجکشن جو کہ غذا کا نہ ہو ان سب سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ اگر چہ اس کا رات تک موخر کر دینا ہی اولی اور زیادہ قرین احتیاط ہے۔ نیز دیکھیں: المخلص الفقہی ۱/۳۸۳

سوال: روزہ کی حالت میں کان، آنکھ، ناک میں دوا ڈالنا کیسا ہے؟

جواب: آنکھوں میں سرمہ ڈالنا، یا کان یا آنکھ میں ڈراپ ڈالنا یا کان میں تیل یا پانی ڈالنا یا سلائی داخل کرنا یا وکس Viks سونگھنا یا خوشبو لگانا یا بلغم نگلنا مفطر صوم نہیں ہے، یعنی اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اسی طرح ناک کے رینٹھ کا اندر ہی اندر حلق کے راستہ سے پیٹ میں چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ چاہے ان کا اثر روزہ دار حلق سے محسوس کر رہا ہو۔ کیوں کہ کان یا آنکھ کے ذریعہ سے کھانے پینے کی چیزیں پیٹ میں داخل نہیں کی جاتی ہیں اور نہ ہی یہ چیزیں (پیٹ) کے منفذ ہیں۔ استنشاق والی روایت سے جو ترمذی ۷۸۸، ابوداؤد ۲۳۶۶، ۱۴۲ وغیرہ میں ہے۔ اس قول کو تقویت ملتی ہے۔ (فقہ السنہ ۱/۴۶۱)

ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر منھ کے راستے سے پیٹ میں کوئی چیز اتاری جائے خواہ وہ غذا کے طور پر نہ ہو تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (المغنی: ۴/۳۵۳)

اگر کسی نے تسبیح کا دانہ نگل لیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور یہی حکم سگریٹ، حقہ، بیڑی اور پان کا ہے۔ (احکام الصیام، ص: ۲۰، فتاوی شیخ الحدیث ۲/۱۰۷)

غرغرہ کے دوا کے استعمال سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ پیٹ میں نہ جائے۔ اسی طرح دانت میں دوا بھرنے سے جس کا مزہ حلق میں محسوس ہو، یا دانت میں اٹکے ہوئے گوشت یا کھانے کا جو محسوس نہ ہو اور منتشر ہو کر حلق کے اندر چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (فتاویٰ شیخ الحدیث ۲/۱۰۷)

الجواب صحیح
مولانا علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
کتبہ: محمد اسلم مبارک پوری
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

●●●